دو قسم کے طالبِ علم

۱۳۲۰ھ میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں شورش کی بناء پر بعض طلبا کو خارج کرنا پڑا تو اس پر حضرت محدث عصر مولانا الشیخ محمد زکریا سہارنپوری مہاجر مدنی متع اللہ المسلمین بالقائہم نے "کفرانِ نعمت" کے عنوان سے ایک بلیغ تبصرہ فرمایا۔

"طلباء ہر قسم کے ہوتے ہیں ان میں بعض وہ بھی ہوتے ہیں جو اپنی ذہنی صلاحیتوں اور خداداد عقل و فہم کو صرف تعلیم پر مرکوز رکھتے ہیں اور دوسری وادی سے باہر نگاہ کرنا ان کو دو بھر ہوتا ہے اور جس مقصد کے لئے وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر دور دراز کا سفر اختیار کرتے ہیں اس کے حصول میں ہمہ تن متوجہ ہو جاتے ہیں، اور بالآخر اپنی شبانہ روز کی محنتوں کا ثمرہ دونوں ہاتھوں سے وصول کرتے ہیں اس کے برخلاف بعض وہ بھی ہیں جو اپنی ضدی طبیعت کفرانِ نعمت اور سوچنے سمجھنے کے غلط انداز کی بناء پر اپنے عظیم مقصد میں بُری طرح ناکام ہوتے ہیں اور اپنی عمر کے بیش قیمت لمحات بہت ناقدری سے ضائع کرتے ہیں۔ ہمارے ان عربی مدارس میں داخل ہو کر جہاں ایک بہت بڑی جماعت نے اپنے مقصد کی لگن اور فکر سے تعلیم دین حاصل کی وہیں کچھ ایسے شورہ پشت بھی داخل ہوتے جن کے یہاں تعلیم و تربیت ثانوی درجہ رکھتی ہے اور آزادی و بے راہروی اول درجہ"

(تاریخ مظاہر ص ۹۵)

۲۷ر نومبر ۱۹۸۱ء

ہدیہ: ڈیڑھ روپیہ

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ و تشریح ——— حضرت مولانا احمد علی قدس سرہٗ

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَطْعِمُوا الْجَآئِعَ وَعُوْدُوا الْمَرِیْضَ وَفُکُّوا الْعَانِیَ ۔ رواہ البخاری

ترجمہ: ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور بیمار کی بیمار پرسی کرو اور قیدی کو آزاد کراؤ۔

تشریح: بھوکا آدمی اگر حالتِ اضطرار تک نہیں پہنچا، تو کھانا کھلانا سنّت ہے اگر حدِّ اضطرار تک پہنچ چکا ہے مگر ایک سے زیادہ آدمی اس جگہ کھانا کھلانے کی طاقت رکھتے ہیں تو کھانا فرض کفایہ ہوگا اور اگر ایک ہی شخص فقط کھلا سکتا ہے تو فرض عین ہوگا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّصِبْ مِنْہُ ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ نیکی کا ارادہ کرتا ہے اُس کو تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو جو تکلیف پہنچے گی اگر کسی گناہ کے باعث تھی تو گناہ کا کفارہ ہو جائے گی اور اگر بے گناہ ہونے کے باوجود پہنچی تو ترقی درجات کا سبب بن جائے گی اور جن پر اس کی نظرِ عنایت نہ ہو انہیں گناہ پر بھی فوری گرفت نہ ہو گی۔ اس لئے گناہ پر اور زیادہ دلیر ہو جائیں گے اور ایک ہی دفعہ عذاب میں مبتلا ہونگے۔ (اللّٰھم اعذنا منہ)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ وَّاَبِیْ هُرَیْرَۃَؓ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۔ (مسلم)

ترجمہ: ابوسعیدؓ سے اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے دونوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مرنے والوں کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی تلقین کیا کرو۔

تشریح: ابو داؤد میں روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہوگا وہ بہشت میں داخل ہوگا۔

عَنْ عَائِشَۃَؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَاِنَّھُمْ قَدْ اَفْضَوْا اِلٰی مَا قَدَّمُوْا (رواہ البخاری)

عائشہؓ سے روایت ہے۔ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مُردوں کو گالیاں نہ دو کیونکہ وہ اپنے کئے کو پہنچ چکے ہیں۔

تشریح: صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم کسی مریض یا میّت کے پاس جاؤ تو (اس کے حق میں) اچھی بات کہو کیونکہ جو کچھ تم کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ یُّبْنٰی عَلَیْہِ وَاَنْ یُّقْعَدَ عَلَیْہِ (رواہ مسلم)

جابرؓ نے روایت ہے۔ کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو چُونے گچ بنانے اور اس پر مکان بنانے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

(باقی ۱۱ پر)

ہفت روزہ
خدّام الدین
لاہور

جلد ۲۷ ❖ شمارہ ۲۱
۲۹ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ ❖ ۲۷ نومبر ۱۹۸۱ء

اس شمارہ میں

مجلس ادارت

رئیس الادارہ : حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہٗ
مدیر منتظم : مولوی محمد اجمل قادری
مدیر : محمد سعید الرحمٰن علوی
مدیر معاون : عبدالرشید انصاری، کراچی
مدیر معاون : محمد ظہیر میر
دفاتر : اندرون شیرانوالہ دروازہ لاہور، ۴۷۵۴۵
کراچی : پہلی چورنگی ناظم آباد

بدل اشتراک سالانہ ۔/۶۰ روپے ششماہی ۔/۳۰ روپے
... ۱۵ روپے فی پرچہ ڈیڑھ روپے

مساجد کا تقدس

مساجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہیں اور ہر کسی کو اپنے گھر سے پیار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تعمیر (معنوی و صوری) کا حق خدائے عزّ و جلّ نے صرف انہی کو بخشا جو اپنے معتقدات کی عمارت اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس کی وحدانیت و مختارِ کل کے تصوّرات پر تعمیر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سب سے بڑھ کر "ظالم" قرار دیا جو ان مقدس قطعاتِ ارضی کی بربادی و خرابی کا ذریعہ بنتے ہیں ——— خرابی و بربادی کا مفہوم یہ قرار دیا گیا کہ جو کام مساجد سے متعلق ہیں، جس کی دو لفظی تعبیر "یادِ الٰہی" سے کی جا سکتی ہے کہ وہ جملہ امور جن کا حق مسجد میں دیا گیا اور جو مسجد کے شایانِ شان ہیں ان کا مقصد "صاحب خانہ" کی یاد کے بغیر کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ حضور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم نے ان "عمارات" کو دھرتی کی مقدس ترین عمارات قرار دیا اور اپنی مبارک زندگی میں اس کا اہتمام فرمایا کہ جہاں قدم مبارک پہنچے وہاں سب سے پہلے اسی گھر کی فکر کی کہ اس کے بغیر مسلمان کی اجتماعی زندگی کا تصوّر ہی ممکن نہیں۔ آپ کے احساسات کا یہ عالم تھا کہ کسی نے مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کیا تو فرمایا خدا کرے کہ تمہاری چیز تمہیں نہ ملے کہ اس مقام کی نزاکتیں ان خرافات سے بالاتر ہیں۔

مسلمانوں کا دَورِ عروج جو کم و بیش ایک ہزار سال پر پھیلا ہُوا ہے اس میں مساجد کا احترام روایتی تھا اور کسی مسلمان کہلانے والے کو بھی ان کی [illegible] کی جرأت نہ ہوتی۔

اب جو حالات بدلے اور ہمارا دورِ زوال شروع ہُوا تو اس کے لازمی اثرات اس طرح سامنے آئے کہ ایک ایک قدر ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئی۔ کانپور اور سکھر جیسے شہروں میں مساجد کی حرمت کے لئے مسلمانوں نے اپنے سینے گولیوں سے چھلنی کروائے اور جیل یاترا میں فخر محسوس کیا ——— اس دور

میں کسی کو جرأت نہ ہوتی کہ وہ مساجد کی کسی طرح بے حرمتی کرے۔ مساجد کے پاس سے باجہ گذر جائے یا کوئی اور ایسی حرکت ہونا ناممکن — حکومتی پابندیاں جن کا تعلق تحریر وتقریر سے ہوتا مساجد اس سے مستثنیٰ ہوتیں۔

— حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بزرگ مسجد میں شعر تک پڑھنے کی اجازت نہ دیتے۔ اب نہیں تو ذکر الٰہی نہیں جو اصل وظیفہ ہے باقی سب روا۔

جو شانِ اجتماعیت مساجد سے وابستہ تھی وہ ختم ہو گئی، خود ساختہ افکار کی چھاپ مساجد پر لگ گئی اور بعض بعض جگہ بورڈ چسپاں ہوگئے کہ اس فکر کے مخالفین یہاں نہیں آسکتے۔ انتہا یہ کہ غیر مسلم اپنی نام نہاد عبادت گاہوں تک کو مساجد کہتے ہیں

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ حکومت، اہل علم اور عوام کو مساجد کے تقدس کی توفیق بخشے۔

علوی

ماہانہ مجلس ذکر

مسجد خضریٰ سمن آباد لاہور میں زیر صدارت حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم ۶ دسمبر ۸۱ء بروز اتوار بعد نماز مغرب منعقد ہوگی۔ انشاءاللہ تعالےٰ

مجلسِ ذکر

ضبط وترتیب: علوی

مسلمان کا منتہائے مقصود

پیرِ طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی

محترم حضرات! ایک مسلمان کا منتہائے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی ہے۔ اس کی خوشنودی کیسے حاصل ہوگی؟ یہی ایک سوال ہے جس کے جواب کے لیے اللہ تعالےٰ نے اپنے منتخب بندوں کو دنیا میں بھیجا۔ ان منتخب افراد کو حضرات انبیاء علیہم السلام کا نام دیا جاتا ہے ان کی زندگیاں اتنی پیاری تھیں، کہ سبحان اللہ! یہ حضرات خلق مجسم تھے انسانیت کی ہمدردی کے لئے اپنا آرام تج دینا اور خدا کی عبادت و بندگی میں اپنے آپ کو گھلا دینا ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ ہزاروں ہزار کی اس مقدس جماعت کی آخری کڑی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم تھے۔ قرآن عزیز نے آپ کے لئے کہا وانک لعلیٰ خلق عظیم۔ کہ آپ اخلاق عالیہ کے مالک ہیں۔ اور آپ نے خود اپنی ذات گرامی کے متعلق فرمایا۔ انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ کہ میں دنیا میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے آیا ہوں۔ یہ آپ ہی کا کام تھا کہ لوگوں نے آپ کی ذات اقدس کو بے پناہ اذیتیں دیں لیکن آپ نے ہمیشہ جواب میں ان کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ فرمایا، ان کی زیادتیوں پر انہیں دعائیں دیں اور کبھی بد دعا نہیں کی — جب اللہ تعالےٰ نے آپ کو بھیجا تو اس وقت سے قیامت تک کی انسانیت کی نجات کا مدار آپ کی آتشین شریعت کو بتلایا یا دوسرے لفظوں میں انسانوں پر واضح کر دیا کہ تم جو میری رضا کے لئے سرگرم عمل ہو اور اس کے لئے تم نے اپنے اپنے راستے بنا رکھے ہیں۔ تو یہ سب غلط ہیں۔ اب میری رضا کے حصول کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے میرے اس آخری منتخب بندے کی اتباع و تابعداری — اس کے بغیر جو کچھ ہے وہ غلط ہے۔ اس کا دامن پکڑ کر اور اس کی رہنمائی کو قبول کرکے سیاہ فام حبشی میری رحمتوں کا مستحق بن سکتا ہے لیکن اس سے دشمنی مول لے کر یا کم از کم اس کا راستہ نہ اپنا کر اس کا سگا چچا بھی آتشِ جہنم سے بچ نہیں سکتا — وہ ابوطالب ہو کہ ابولہب۔ جب انہوں نے اس کے میٹھے بولوں سے نفرت کی، میرا قرآن جو اس نے اپنے مبارک لبوں سے سنایا۔ انہوں نے اسے سنا اور جو سنا تو تکذیب کی۔ تو اب ان کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں وہ نارِ جہنم اور میرے غضب وعتاب سے بچ نہیں سکتے، میرے انتقام کا انہیں ضرور نشانہ بننا پڑے گا۔

سو حضرات آج بھی وہی مسئلہ ہے جو کل تھا — دنیا اب بھی خالق کی رضا کی متلاشی ہے۔ یہاں تک تو بات صحیح ہے لیکن معاملہ بگڑتا یوں ہے جب اس کے لئے صحیح راستہ اختیار نہیں کیا جاتا۔ یاد رکھیں وہ راستہ محمد عربی علیہ السلام کا بتلایا ہوا راستہ ہے۔ اس کے بغیر سارے راستے غلط اور گمراہی کا باعث ہیں۔ اس راستہ میں عقائد حقہ ہیں، اعمال صالحہ ہیں، اخلاق حسنہ ہیں، انسانیت کی ہمدردی و غمخواری ہے۔

باقی ...

خطبہ جمعہ

ضبط و ترتیب : علوی

دین میں ایجادِ بندہ

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عُبَید اللہ انور مدّظلہم

بعد از خطبہ مسنونہ :

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :-

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا . . . . وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ○ صدق اللہ العلی العظیم (الحدید : ۲۷)

محترم حضرات و معزز خواتین! سورہ الحدید جو قرآن عزیز کی موجودہ ترتیب کے اعتبار سے ۵۷ ویں سورت ہے اس کی آیت ۲۷ آپ نے ملاحظہ فرمائی —— ساتھ ہی اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ پھر اگلی آیت عرض کی جائے گی

"پھر ان کے پیچھے انہی کے قدموں پر (اور) پیغمبر بھیجے۔ اور ان کے پیچھے مریم (علیہا السلام) کے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) کو بھیجا اور ان کو انجیل عنایت کی، اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ان کے دلوں میں شفقت اور مہربانی ڈال دی۔ و(ر) لذات سے کنارہ کشی کی تو انہوں نے خود ایک نئی بات نکال لی۔ ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ مگر (انہوں نے اپنے خیال میں) خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (آپ ہی ایسا کر لیا تھا) پھر جیسا اس کو نباہنا چاہئے تھا نباہ بھی نہ سکے۔ پس جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اُن کو ہم نے ان کا اجر دیا اور ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں"

سابقہ مضامین

اس آیت سے متصل ماقبل آیات میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت، ان کو عطا کئے جانے والے دلائل و معجزات اور انہیں ملنے والی کتابوں نیز میزان کا اصولی طور پر ذکر ہے۔ اس کے ساتھ ہی "لوہے" کی تخلیق کا ذکر ہے۔ جس کی حکمت بقول علامہ شبیر احمد عثمانی رح یہ ہے کہ :——

"جو آسمانی کتاب سے راہ راست پر نہ آئیں اور انصاف کی ترازو کو دنیا میں سیدھا نہ رکھیں۔ ضرورت پڑے گی کہ ان کی گوشمالی کی جائے اور ظالم و کجرو معاندین پر اللہ و رسولؐ کے احکام کا وقار و اقتدار قائم رکھا جائے۔ اس وقت شمشیر کے قبضہ پر ہاتھ ڈالنا اور ایک خاص دینی جہاد میں اسی لوہے سے کام لینا ہوگا"

یہ تو اصولی طور پر مطلقاً بعثت انبیاء کا ذکر تھا اس کے بعد بطور خاص دو انبیاء یعنی حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام اور ان کی اولاد میں نبوت کی نعمت اور عطاء کتاب کا ذکر ہے۔ اس کے بعد وہ آیت ہے جس کا ترجمہ آپ نے سماعت فرمایا۔ ابتدائی ٹکڑا ہے کہ "ان کے پیچھے انہی کے قدموں پر اور رسول بھیجے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ" پچھلے رسول انہی پہلے انبیاء ہی کے نقش قدم پر تھے کیونکہ اگلے پچھلے تمام انبیاء و رسل اصولی طور پر ایک ہی تعلیم لے کر تشریف لائے تھے اور ان کے بنیادی مقاصد بعثت یکساں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے جماعت انبیاء

کو "علاتی بھائیوں" سے تشبیہ دی جو باپ میں شریک لیکن ماؤں کے اعتبار سے جدا جدا ہوتے ہیں کہ بنیادی تعلیم سب کی یکساں ہے فروعات میں مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ تھوڑی بہت تبدیلی ہوتی ہے مثلاً عقیدہ توحید، عقیدہ آخرت، تمام انبیاء و رُسل کو خدا کا سچا نبی ماننا، فرشتوں اور تقدیر پر ایمان، تمام آسمانی کتب کی تصدیق، پھر اعمال صالحہ یعنی نماز روزہ اور انفاق فی سبیل اللہ کا معاملہ سب جگہ موجود ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ نماز کی کیفیات، روزہ کے اوقات و احکام اور انفاق فی سبیل اللہ کی حدود میں اختلاف ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس آیت میں ذکر فرمایا جو انبیاء بنی اسرائیل کی آخری کڑی تھے اور جن کے زندہ آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد دنیا میں صرف ایک خدا کے پیغمبر آئے وہی جنہیں دعائے خلیل و نوید مسیحا ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یعنی محمد عربی قریشی الہاشمی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ و سلامہ۔ عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے بطور خاص نرمی کا مادہ پیدا کیا تھا اور واقعہ یہ ہے کہ ہر سچے دین کے مخلص پیروکار ایسے ہی ہوتے ہیں۔ خلق خدا کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ اور آپس میں مہربانی سے پیش آنا ہر دور کے مومنین صالحین کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

ایجادِ بندہ

یہاں تک تو بات درست تھی لیکن ان خدام و متبعینِ عیسیٰ علیہ السلام نے آئندہ چل کر ایک "بدعت" نکالی، اپنے طور پر ایک نئی بات گھڑ لی۔ جس کی تفصیل علامہ عثمانی رح کے بقول یہ ہے کہ "یہ دین بادشاہوں سے تنگ ہو کر اور دنیا کے مخمصوں سے گھبرا کر ایک بدعت رہبانیت کی نکالی جس کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں دیا گیا تھا مگر نیت ان کی یہ ہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں (اور طرفہ تماشہ یہ کہ) پھر اس کو پوری طرح نباہ (بھی) نہ سکے"

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہٗ اس کی وضاحت یوں فرماتے ہیں کہ :-

"یہ فقیری اور تارک الدنیا ہونا نصاریٰ نے رسم نکالی — جنگل (یا اسی قسم کی الگ تھلگ جگہ) میں تکیہ بنا کر بیٹھے، نہ جورو رکھے نہ بیٹا، نہ کماتے نہ جوڑتے۔ محض عبادت میں لگے رہتے، خلق سے نہ ملتے، اللہ نے بندوں کو یہ حکم نہیں دیا (کہ اس طرح دنیا چھوڑ کر بیٹھ رہیں)، مگر جب اپنے اوپر ترک دنیا کا نام رکھا۔ پھر اس پردے میں دنیا چاہنا بڑا وبال ہے"

اس کو نقل فرما کر مولانا عثمانی رح لکھتے ہیں

"شریعت حقہ اسلامیہ نے اس اعتدال فطری سے متجاوز رہبانیت کی اجازت نہیں دی ہاں بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے کیونکہ مجاہد اپنے سب حظوظ و تعلقات سے واقعی الگ ہو کر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکلتا ہے"

نصاریٰ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام لیوا تھے انہوں نے ایجاد بندہ کے طور پر اپنے دین میں یہ نئی بات نکالی کہ حالات کے ستم کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو بس الگ تھلگ ہو کر بیٹھ جاؤ۔ حالانکہ یہ بزدلی ہے، مقابلہ سے فرار ہے نامردی کا کام ہے۔ انسان کا کام یہ ہے کہ وہ "بازمانہ ستیز" پر عمل کرے۔ حالات کتنے ہی ناموافق ہوں، صورت حال کیسی ہی سنگین ہو وہ آگے بڑھے، قدم اٹھاتے اور طوفان کے تھپیڑوں کو چیر کر اپنا راستہ بناتے۔ راہ حق میں مصائب اور صبر آزما تکالیف سے پالا پڑتا ہے ان سے جی چرا کر جنگل و صحرا

کی راہ نکالنا کارِ مرداں نہیں بلکہ حالات کا رخ پلٹ دینا، اور ناموافق حالات میں اپنی کشتی کو ساحلِ مراد پر لگانا بندہ مومن کا کام ہے۔ ایک مسلمان راہ حق میں مجاہدانہ قدم اٹھانے سے جی نہیں چراتا۔ لیکن بدقسمتی سے نصاریٰ نے ایسا کیا اور پھر اس رسم کو بھی نباہ نہ سکے۔ اس کی آڑ میں زرپرستی شروع کر دی ـــــ اور نباہ نہ سکنے کی وجہ بالکل صاف ہے کہ اس فکر و فلسفہ کی پشت پر کلام الٰہی کا کوئی حکم نہ تھا۔ پیغمبر کا کوئی ارشاد نہ تھا اور ہر ایسا فلسفہ جس کی تائید میں کلام خدا و رسول نہ ہو بالآخر اس میں انسان گرداب کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے اور کبھی آخری وقت تک اس پر مستقیم نہیں رہ سکتا۔ نصاریٰ کو انہی حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ اپنی گھڑی ہوئی بات کو نباہ نہ سکے اور دو چار قدم اٹھانے کے بعد ایسی پستی میں گرے کہ توبہ بھلی۔

بدعت

اس آیت کو علماء نے بدعت کی تردید میں شمار کیا اور مولانا عثمانی نے اس مرحلہ پر بدعت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:۔

"بدعت کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب و سنت اور قرون مشہود لہا بالخیر میں نہ ہو اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے"۔

سبحان اللہ! کتنی خوب بات کہی، کتاب و سنت تو بنیاد ہیں اور صاحب سنت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کو خیر کا زمانہ قرار دیا اپنی موجودگی میں لوگوں کی اس نہج سے تربیت کی کہ وہ مزاج شناس بن گئے۔ اول تو غلط کام کرتے نہ تھے اگر کبھی ایسا خطرہ سامنے آیا تو فوراً اصلاح ہو گئی۔ اسی لئے حدیث و سنت کی تعریف میں آپ کے اقوال و افعال کے ساتھ آپ کی "تقریر" بھی شامل ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ آپؐ کے سامنے کوئی کام ہوا آپؐ نے اس کی تائید فرمائی یا اس پر سکوت فرمایا۔

دوسری بات دین کا کام اور ثواب کا باعث سمجھنا ہے کیونکہ اسی سے تو دین کا حلیہ بگڑتا ہے۔ دین اور غیر دین میں تمیز ختم ہوتی ہے اور بقول ایک عارف کے کہ دین میں بدعات کا پیوند لگانے والے حضور اقدس پر اپنے عمل سے تہمت دھرتے ہیں کہ دین میں کوئی کسر رہ گئی تھی جسے وہ پورا کر رہے ہیں (معاذ اللہ)

اور پھر ایسے ستم ظریف بھی ہیں۔ جو اپنی مریض ذہنیتوں کی تسکین کے لئے بعض بدعات کو بدعاتِ حسنہ کا نام دیتے ہیں حالانکہ جو ہے بدعت وہ بقول حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ حسنہ کہاں اور اس میں نورانیت کہاں؟ یہی وجہ ہے کہ سرکارِ دو عالم علیہ السلام نے دین میں ابداع اور بدعت کو مردود قرار دیا، بدعت کو گمراہی بتایا اور اسے جہنم میں لے جانے کا ذریعہ قرار دیا۔ بدعتی کی توقیر و عزت پر فرمایا کہ اس سے عرشِ الٰہی لرز اٹھتا ہے۔

اس آئینہ صافی میں ہر آدمی اپنے اعمال کا جائزہ لے سکتا ہے اور فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ کس حد تک سنت کا پیروکار ہے اور کس حد تک بدعت کی تاریکی کا شکار ہے ـــــ خوب کان کھول کر سن لیں بدعت ہمیشہ دین سمجھ کر کی جاتی ہے اور یہی بے دینی اور الحاد ہے ـــــ کسی میت کی قبر پر جا کر ایصال ثواب کا مسنون طریقہ چھوڑ کر جو نئی اختراع ہو گی وہ بدعت ہو گی۔ جنازہ کا محمدی طریقہ چھوڑ کر جو اضافہ ہو گا وہ اسی حکم میں ہو گا۔ اذان بلالی میں جو ٹاٹ کا پیوند ہو گا وہ بظاہر کتنا حسین ہو بہرحال پیوند ہے، اور پیوند معیوب ہی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو سچا اور آخری دین دیا ان کی زندگی کے آخری لمحات تک سلسلہ وحی جاری رہا تا آنکہ تکمیل دین کا اعلان ہو گیا حضور علیہ السلام نے ایک ایک عمل کی مکمل شکل بتلا دی اور اس کی وضاحت و

(باقی ۲۰ پر)

نشریہ ریڈیو پاکستان لاہور
۹ اکتوبر ۱۹۸۱ء
شام ۵ بجے

آیاتِ بیّنات

محمد سعید الرحمٰن علوی

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ الہٖ واصحبہ و من تبعھم الیٰ یوم عظیم،

اما بعد: اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:ـــ

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا ...... وَ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔

صدق اللہ العلی العظیم (انفال: ۴۲)

سورہ انفال کی اس آیت کریمہ کا تعلق غزوہ بدر سے ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اس سورۃ کا بڑا حصہ اسی جنگ سے متعلق حالات و ہدایات پر مشتمل ہے۔ حضور نبی مکرم قائدنا الاعظم محمد عربی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ کی زندگی میں جو جنگی حوادث پیش آئے ان میں اس جنگ کو بڑی اہمیت حاصل ہے ـــ اسی سورۃ میں اس آیت سے متصل پہلی آیت میں اس دن کو "یوم الفرقان" کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے یعنی "فیصلہ کا دن"۔ بقول کہ خادم قرآن فیصلہ کے دن سے۔ ا "یوم" بدر ہے جس میں حق و باطل کی [illegible] کا فیصلہ ہو گیا۔ اس دن حق تعالیٰ نے اپنے کامل ترین بندے (محمد عربی علیہ السلام پر) پر فتح و نصرت اتاری۔ فرشتوں کی امدادی کمک بھیجی۔ اور سکون و اطمینان کی کیفیت نازل فرمائی اس جنگ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران کی آیت ۱۲۳ میں فرمایا ولقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلۃ فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون۔ یعنی اللہ تمہاری مدد کر چکا ہے بدر کی لڑائی میں اور تم کمزور تھے سو ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم احسان مانو"۔

یہ جنگ ہجرت نبوی سے دوسرے سال رمضان المبارک میں وقوع پذیر ہوئی۔ اہل سیر اس پر متفق ہیں کہ یہ ۱۷ رمضان کی تاریخ تھی کفار مکہ اور صنادید قریش جنہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم کی دعوت کی شدید مخالفت کی تھی وہ آپؐ کی ہجرت سے سخت برہم تھے۔ انہوں نے مکہ معظمہ کے زمانہ میں آپ اور آپ کے رفقاء پر ظلم کے پہاڑ توڑے اور چاہا کہ دعوت دب جائے۔ دم توڑ جائے مسلمان ایسے ... آبائی دین میں [illegible] آئیں۔ خدا کی زمین پر ہونے والا شرک، اللہ کی نافرمانی اور فسق و فجور کا بازار گرم رہے۔ حضور علیہ السلام کی پیغمبرانہ استقامت اور دین اسلام کے فطری اصولوں کے پیش نظر کفر زوال پذیر تھا اور اہل اسلام کا قافلہ بتدریج بڑھ رہا تھا اور مخالفین و معاندین اسلام آتشِ انتقام میں بھنے جا رہے تھے۔ انہوں نے نبی اُمّی علیہ السلام کو کاہن و شاعر اور اس قسم کے بے ہودہ القابات سے مشہور کر کے چاہا کہ آپ کا مشن فیل ہو جائے لیکن ان کا یہ حربہ کارگر نہ ہو سکا۔ انہوں نے آپ کے سامنے دنیوی وجاہت کے تمام دام پھیلا دئیے لیکن وہ اس میں بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ وہ پیغمبر جس کا ارشاد تھا۔ الدنیا جیفۃ وطالبوھا کلاب کہ دنیا مردار ہے اور اس کو اپنا مقصد زندگی بنانے والے نجس چوپائے ہیں، وہ بھلا دنیوی وجاہتوں پر کیسے ریجھ جاتا؟ وہ تو تلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علواً فی الارض ولا فساداً [illegible] تھا اس نے دنیا کی بے ثباتی

اور بے وفائی کا وعظ کہہ کر حقیقت شناس لوگوں کا رُخ آخرت کی طرف موڑ دیا تھا۔ اس لئے کفّار کا یہ فریب بھی نہ چل سکا۔ تو اب انہوں نے آپ کے قتل کی سازش تیار کی۔ اسی سورۂ انفال کی آیت ۳۰ میں ہے کہ

"اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب کافر آپ کے متعلق خفیہ تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا آپ کو جلا وطن کر دیں اور حالت یہ تھی کہ ایک طرف وہ اپنی چال چل رہے تھے اور دوسری طرف اللہ تعالےٰ ان کے توڑ کے لئے ایک اور چال چل رہا تھا اور سب داؤں کرنے والوں سے اللہ بہتر داؤں کرنے والا ہے"۔

انہوں نے بالآخر آپ کے قتل پر اتفاق کر لیا اور ہر قبیلہ کو اس میں شریک کر لیا لیکن خدائے بزرگ و برتر نے اپنے نبی کو بچایا۔ اور اس طرح کہ آپ خدا کا نام لے کر ان کی آنکھوں میں مٹی ڈال کر ان کے سامنے سے نکل گئے۔ اپنے عزیز دوست حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ساتھ لیا اور غارِ ثور میں تین دن قیام فرمانے کے بعد راستہ میں سراقہ بن مالک کی سازش کو ناکام بنا کر قبا اور پھر مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ مدینہ جانے کے بعد آپ نے جہاں مسلمانوں کے دونوں طبقات مہاجرین و انصار کو اخوت و بھائی چارے کے مثالی رشتہ میں جوڑ کر ایک مثال قائم کی وہاں مدینہ طیبہ کی تمام اقوام سے ایک "معاہدہ کیا جسے "میثاقِ مدینہ" کہا جاتا ہے۔ تاکہ مدینہ کے دفاع کی ذمہ داریوں میں سب شریک ہوسکیں۔ اور آپس میں کوئی الجھاؤ نہ ہو۔

کفّارِ مکہ جنہوں نے اپنی ہر تدبیر میں شکست کھائی تھی اور ذلّت و رسوائی سے منہ تکتے رہ گئے تھے انہوں نے ایک طرف تو ایک لمیٹڈ کمپنی قائم کی، مشترکہ سرمایہ کاری کا اہتمام کیا۔ تاکہ وسیع پیمانے پر تجارت ہو اور اس کا جملہ نفع حضور علیہ السلام کی دعوت کے خلاف صرف کیا جا سکے۔ دوسری طرف انہوں نے مدینہ طیبہ کے یہودیوں سے راہ و رسم پیدا کی ان سے گٹھ جوڑ کیا اور اسلام کے شجرِ طیبہ کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکنے کی تدبیریں کرنے لگے۔ محمّد عربی علیہ السلام کا سچا خدا جو علیم و خبیر اور بندوں کے تمام حالات سے واقف ہے وہ کمزور و ناتواں لوگوں کی ان سازشوں کو دیکھ رہا تھا مکڑی کے جالوں کی طرح ناپائیدار اور غیر مستحکم تدبیریں کرنے والے لوگ یہ بھول چکے تھے کہ محمّد عربی علیہ السلام کے سر پر ان کے خدا کی قوت ہے وہ اللہ رب العزت کی تائید سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے تجارتی قافلہ رخصت بھی کر دیا لیکن وہ خدائے محمّد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم) کی قوت کا توڑ کہاں سے لاتے؟ اللہ تعالےٰ نے اب تک اپنے محبوب ترین بندے کو جنگ سے روکا ہوا تھا۔ اب "بزن" کا حکم ہو گیا۔ اب وقت آچکا تھا کہ ممولہ شاہین سے بھڑ جائے۔ کفار اپنی طاقت کی وجہ سے اور افرادی قوت کے بل بوتے پر اپنے کو شاہین خیال کرتے تو مسلمانوں کو ممولہ۔ لیکن درحقیقت ممولہ وہ تھے اور مسلمان شاہین۔ کیونکہ مسلمان کا ایمان اس قادر و قیوم خدا پر تھا جو ابابیلوں سے ہاتھیوں کا لشکر فنا کرانے پر قادر ہے جس نے ہجرت کی رات اپنے محبوب نبیؐ کو اس طرح کفار کے نرغہ سے نکالا تھا کہ وہ دنگ رہ گئے تھے۔

یہ دور مسلمانوں کے لئے بڑا نازک تھا ان کے سامنے سوال یہ تھا کہ وہ کفار کے اس خطرے کا مقابلہ کس طرح کریں۔ بالآخر انہوں نے فیصلہ کیا اور علم الاخلاق کی رو سے ان کا فیصلہ درست تھا۔ دنیا کے جنگی قوانین اس فیصلہ کی صحت کا انکار نہیں کر سکتے۔ فیصلہ یہ تھا کہ وہ تجارتی قافلہ واپس آئے تو سے دبوچ لیا جائے۔ یہ تجارتی قافلہ تو نہ تھا یہ تو جنگی اسلحہ اور بارود

سمیٹنے کی ایک تدبیر تھی ——— آج کے نام نہاد امن پسند اور صلح کے خواہاں لوگوں کی طرح وہ بھی اوپر سے صلح صلح کا نعرہ لگا کر اسلحہ سمیٹنے کی فکر میں تھے اس بچہ سانپ کا سر ابتدا میں کچلنا عین حکمت تھی۔ مصلحت عامہ کا یہی تقاضا تھا ان درندہ صفت لوگوں کی اکڑی ہوئی گردنیں مروڑنا انسانیت پہ احسان تھا۔ اس لئے نہتے مسلمانوں نے اپنے عظیم قائد و امام، اپنے آقا و مرشد، اپنے ہادی و مولا صلوات اللہ تعالیٰ علیہ و سلامہ کی قیادت میں آگے بڑھ کر اس قافلہ کا راستہ روکنے کا فیصلہ کر لیا۔ قافلہ کے جاسوسوں کو یہ خبر ملی تو انہوں مکہ کے سردار ابوجہل کے نام کی دہائی دی۔ ابوجہل پہلے ہی سیخ پا تھا اب وہ اور اچھل پڑا اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ مکہ کے بہترین جوانوں میں سے گیارہ سو اور ایک روایت کے مطابق ایک ہزار آدمی فراہم کئے۔ ان میں سے ایک ایک کو پوری طرح مسلّح کیا۔ سامان رسد کافی مقدار میں فراہم کیا سواریاں وسیع پیمانے پر مہیا کیں۔ اور نخوت و غرور کے ساتھ فضا میں نعرے لگاتا مدینہ کی طرف چل پڑا۔ آگے چل کر اسے معلوم بھی ہو گیا اور تجارتی قافلہ والوں نے بخیریت گذر جانے کی خبر بھی دے دی لیکن کل کا ابوالحکم آج ابوجہل کے روپ میں مست ہاتھی کی طرح بڑھتا گیا۔ کہ اس کے پیشِ نظر مسلمانوں کا استیصال تھا ـــ مسلمان جو کسی طرح جنگ کے لئے تیار نہ تھے کہ ان کی تعداد بہت کم اور سامانِ جنگ بالکل ندارد ـــ وہ اپنی جگہ حیران، اور جب حضور علیہ السلام نے بدلے ہوئے حالات میں ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے جرأت و مردانگی کا ایسا ریکارڈ قائم کیا کہ اس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ہے۔ بہرحال قدوسیوں کا یہ قافلہ بدر میں پہنچ گیا۔ ابوجہل کا لشکر پہلے سے وہاں پہنچ گیا۔ میدان کے ورلے کنارے جو مدینہ کی طرف تھا میں مسلمان تھے تو پرلے کنارے دشمن، اور تجارتی قافلہ نیچے کو اتر چکا تھا

دراصل خدا کی مرضی یہ تھی کہ حق و باطل کا واضح فیصلہ ہو جائے، اس آیت اور اس سورۃ کی بعض دوسری آیات میں یہی ذکر ہے کہ بغیر کسی پروگرام، بغیر کسی وعدہ وعید اور بغیر کچھ طے کئے قدرۃً یہ مڈبھیڑ ہو گئی اور خدا نے کفر کا سر غرور پست کر دیا۔ قدرت کی نشانیاں یوں ظاہر ہوتیں کہ فرشتوں کی کمک آئی۔ مسلمانوں کو لشکرِ کفار بہت کمزور اور کمتر نظر آنے لگا۔ پانی کی تکلیف رات کی بارش سے رفع ہو گئی۔ خدا کی طرف سے سکینت و طمانیت کا نزول ہوا اور نہتے مسلمان مسلح کافروں پر پل پڑے تا آنکہ ان کا بھرکس نکال دیا۔

اللہ تعالےٰ اپنے انعامات کے حضور پہ ان واقعات کا ذکر فرما کے ہر دور کے مسلمان کو اس طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ تمہارا خدا پر بھروسہ ہو، عزم راسخ ہو، مقاصد درست ہوں تو خدا کی تائید و نصرت اور امداد کا کوئی خاص وقت اور موقعہ نہیں، ہر وقت ایسا ہو سکتا ہے بشرطیکہ تم صحیح ہو۔

اللہ تعالےٰ ہمیں ان مقدس حضرات کا سا ایمان نصیب فرمائیں۔

بقیہ : احادیث الرسولؐ

تشریح : چونکہ قبر محلِ فنا ہے اور چونہ گچ پختہ بنانا دلیلِ بقا و ثبات ہے لہٰذا اس سے بچنا لازمی قرار دیا گیا ——— علیٰ ہذا القیاس مکان زندوں کے آرام کے لئے ہوتا ہے نہ کہ مُردوں کے لئے۔ اس لئے قبر پر چھت ڈالنے سے منع کیا گیا۔ قبر پر بیٹھنے اور بعض حدیثوں میں اس پر چڑھ کر اتارنے سے منع کیا گیا ہے تاکہ میّت کی توہین نہ ہو۔

بقیہ : اداریہ

ہو ——

ڈر ہے کہ مساجد کی بے زبانی "زبانِ حال سے خدا کے حضور فریاد نہ کر دے۔ ایسا ہوا تو انجام معلوم ——— اور غور کریں اور توجہ دیں کہ اسی میں سب کا بھلا ہے۔

اللہ سے مانگنے کی فضیلتیں اور برکتیں

★ مرسلہ سعد سعید

(۱) حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"دعا مانگنا بعینہٖ عبادت ہے،" پھر آپ نے قرآنِ کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ

اور تمہارے رب نے فرمایا ہے: مجھ سے دعا مانگا کرو۔ میں تمہاری دعا قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے (ازراہِ تکبّر) سرتابی کریں گے۔ وہ ضرور جہنم میں داخل ہوں گے، ذلیل وخوار ہو کر۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ:

"تم میں سے جس شخص کے لئے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا، اس کے لئے رحمت کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اللہ سے جو دعائیں مانگی جاتی ہیں، ان میں اللہ کو سب سے زیادہ یہی پسند ہے کہ اس سے (آخرت اور دنیا) عافیت کی دعا مانگی جائے۔

اسی حدیث کے بعض طرق میں:

فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ

(اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے گئے) آیا ہے اور بعض طرق میں:

فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْإِجَابَةِ

(اس کے لئے قبولیت کے دروازے کھول دیئے گئے) آیا ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ:

"دعا کے سوا کوئی چیز قضا کو رد نہیں کرسکتی، اور نیکی کے سوا کوئی چیز عمر نہیں بڑھا سکتی۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ:

(قضاء) قدر سے بچنے کے لئے تدبیر فائدہ نہیں دیتی (ہاں) اللہ سے دعا اس (آفت مصیبت) میں بھی فائدہ پہنچاتی ہے۔ جو نازل ہو چکی ہو اور اس میں بھی جو نازل نہ ہوئی ہو۔ اور بے شک بلا نازل ہونے کو ہوتی ہے کہ دُعا اس سے جا ملتی ہے۔ پس قیامت تک دونوں میں کشمکش ہوتی رہتی ہے (اور انسان بلا سے بچ جاتا ہے)

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

"اللہ کے ہاں، دعا سے زیادہ کسی چیز کی وقعت نہیں۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ:۔

"جو شخص اللہ سے کوئی سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اُس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔

اسی حدیث کے بعض طرق میں

مَنْ لَمْ يَدْعُ اللهَ غَضِبَ عَلَيْهِ

(جو اللہ سے دعا نہیں مانگتا، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ:

(خوب دعا مانگا کرو)

"تم اللہ سے دعا مانگنے میں عاجز نہ بنو (اور کوتاہی نہ کرو) اس لئے کہ دعا (کرتے رہنے) کی صورت میں ہرگز کوئی شخص کسی (ناگہانی آفت) سے ہلاک نہ ہوگا۔"

ایک اور حدیث ہے کہ:

"جو شخص یہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کی دعا سختیوں اور مصیبتوں میں قبول فرمائیں، اسے چاہیئے کہ وہ فراوانی اور خوشحالی میں بھی دعا مانگے۔"

ایک حدیث ہے کہ:

"دعا مومن کا ہتھیار ہے: دین کا ستون ہے، اور آسمان وزمین کا نور ہے۔

ایک واقعہ ہے کہ:

باقی صفحہ ۲۰ پر

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

عمر بھر اپنی اُمت کیلئے دُعا فرماتے رہے!

علامہ شبلی نعمانیؒ

فرائض پنجگانہ کے علاوہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کم از کم سنن و نوافل کی ۳۹ رکعتیں روزانہ معمولاً ادا کرتے تھے۔ وہ صبح چار چاشت، چھ ظہر، چھ عصر، چار پہلے اور دو بعد نماز (حسب روایت حضرت عائشہؓ)، دو مغرب، چھ عشا، تیرہ تہجد دو وتر ان کے علاوہ صلوٰۃ الاوابین ہفت تحیت مسجد وغیرہ الگ تھیں تمام سنن میں سب سے زیادہ صبح کی دو رکعتوں کے آپؐ سختی سے پابند تھے کسی وقت کی سنت خلاف معمول اگر چھوٹ جاتی ہے تو اس کی قضا پڑھتے حالانکہ اصل شریعت کی رو سے اس کی ضرورت عام امت کے لئے نہیں۔ ایسا واقعہ حضر میں صرف ایک ہی دفعہ پیش آیا۔ ظہر و عصر کے درمیان ایک وفد خدمت اقدس میں باریاب ہوا۔ جس کی وجہ سے آپ ظہر کے بعد کی دو رکعت نہ پڑھ سکے۔ نماز عصر کے بعد آپؐ نے بعض ازواج مطہرات کے حجروں میں جاکر دو رکعت نماز ادا کی چونکہ یہ نماز بالکل خلاف معمول تھی۔ اس لئے ازواج مطہرات نے استفسار کیا آپؐ نے واقعہ بیان فرمایا ہے عام امت کے لئے ایک نماز کی قضا ایک دفعہ کافی ہے۔ لیکن آپؐ جس چیز کو شروع کرتے تھے۔ پھر اس کو ترک کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس لئے المومنین حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ آپؐ نے اس قضا کو تمام عمر ادا کیا۔

رمضان کا مہینہ آپؐ کی عبادتوں کے لئے سب سے زیادہ ذوق افزا تھا۔ حضرت عائشہؓ لکھتی ہیں کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو آپؐ رات بھر بیدار رہتے۔ ازواج سے بے تعلق ہو جاتے۔ اہل بیت کو نماز کے لئے جگاتے تھے۔ اس اخیر عشرہ میں آپؐ عموماً اعتکاف میں بیٹھا کرتے تھے۔ یعنی ہمہ وقت مسجد میں بیٹھ کر یاد الٰہی اور عبادت گزاری میں مصروف رہتے تھے۔ اس موقع پر آپؐ یہ الفاظ بھی کہا کرتے تھے۔ جو سرتاپا اثر اور روحانیت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

"خداوندا تیری حمد ہو تو آسمان وزمین کا نور ہے۔ تو آسمان وزمین اور جو کچھ اس میں ہے سب کا پروردگار ہے تو حق ہے۔ تیرا وعدہ حق ہے، تیری بات حق ہے۔ تجھ سے ملنا حق ہے تیرا وعدہ حق ہے۔ تیری جنت حق ہے۔ دوزخ حق ہے۔ خداوند میں نے تیرے ہی آستانے پر سر جھکایا ہے۔ تجھی پر ایمان لایا ہوں۔ تجھی پر میں نے بھروسہ کیا ہے۔ تیرے ہی زور پر جھگڑتا ہوں، تجھی سے فیصلہ چاہتا ہوں تو میرا اگلا اور پچھلا، کھلا اور چھپا ہر ایک گناہ معاف کر تو ہی میرا معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی اور معبود نہیں۔"

کبھی گھر کے لوگ جب سو جاتے۔ آپؐ چپ چاپ بستر سے اٹھتے اور دُعا اور مناجات الٰہی میں مصروف ہو جاتے کبھی کبھی راتوں کو اُٹھ کر آپؐ تن تنہا قبرستان میں تشریف لے جاتے اور دُعا وزاری کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ کے پیچھے پیچھے حضرت عائشہؓ گئیں تو دیکھا کہ آپؐ جنت البقیع میں داخل ہوئے اور مذکورہ بالا دُعا مانگی۔ دُعا اور نماز کے بعد آپ سو جاتے یہاں تک کہ خراٹے کی آواز سنائی

دیتی۔ کہ دفعتہً سپیدہ صبح نمودار ہوتا۔ آپ بیدار ہوتے صبح کی سُنت ادا کرکے مسجد کو تشریف لے جاتے اور اس وقت زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے۔

"خدایا میرے دل میں نور پیدا کر اور میری زبان میں اور میری قوت سامعہ میں نور پیدا کر آنکھوں میں نور پیدا کر اور میرے پیچھے اور میرے آگے نور پیدا کر میرے اوپر اور میرے نیچے نور پیدا کر اور مجھے نور عطا کر۔"

رمضان کے علاوہ پورے مہینے کا روزہ مدینے میں آپ نے کبھی نہیں

فرمایا تم کو کیونکر معلوم ہوا۔ بولیں "خدا نے ان کو نہیں نوازا تو اور کس کو نوازے گا۔" ارشاد ہوا کہ ہاں مجھکو بھی ان کی نسبت بھلائی کی توقع ہے لیکن میں پیغمبر ہو کر بھی یہ نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔

ابی ابن کعب رضؓ سے روایت ہے کہ جب دو تہائی شب گزر چکتی با آواز بلند یہ الفاظ ادا فرماتے۔ "لوگو! زلزلہ آرہا ہے اس کے پیچھے آنے والا آرہا ہے۔ موت اپنے سامان کے ساتھ آپہنچی۔" فرمایا کرتے۔ "لوگو! جو کچھ میں جانتا ہوں

جاری ہو جاتے تھے۔ اکثر نماز میں رقت طاری ہوتی اور آنسو جاری ہو جاتے۔

ایک دفعہ جب سورج گرہن پڑا تو نماز کسوف میں آپ ٹھنڈی سانسیں بھرتے فرماتے تھے خدایا تو نے وعدہ کیا ہے کہ تو لوگوں پر میرے ہوتے عذاب نہیں نازل کرے گا۔

ایک بار آپؐ ایک جنازے میں شریک تھے۔ قبر کھودی جارہی تھی آپ قبر کے کنارے بیٹھ گئے۔ یہ منظر دیکھ کر آپؐ پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ آنسوؤں سے زمین نم ہوگئی پھر

> "پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ان میں سے جس نے میری پیروی کی وہی میری جماعت میں ہے اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر معاف کردے تو تو غالب دانا ہے۔" (سیرت النبیؐ)

رکھا۔ صرف ایک شعبان مستثنیٰ ہے۔ اس میں قریب قریب پورے مہینے بھر آپ روزہ سے رہتے۔

آپؐ خاتم الانبیا تھے۔ افضل رسل تھے۔ محبوب خاص تھے۔ تاہم خشیت الٰہی کا یہ اثر تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ کچھ نہیں معلوم کہ میرے اوپر کیا گزرے گی۔

حضرت عثمانؓ بن مظعون نے جب وفات پائی تو آپؐ تعزیت کو گئے۔ لاش دھری تھی ایک عورت نے لاش کی طرف مخاطب ہو کر کہا "خدا گواہ ہے کہ خدا نے تجھ کو نوازا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

اگر تم جانتے ہوتے تو تم کو ہنسی کم اور رونا زیادہ آتا۔"

ایک دفعہ آپؐ نے نہایت موثر طرز سے خطبہ میں فرمایا۔

"اے معشر قریش! اپنی آپ خبر لو، میں تم کو خدا سے نہیں بچا سکتا۔ اے بنی عبد المناف! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا۔ اے صفیہ۔ اے رسول کی پھوپھی میں تجھ کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا۔ اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ میں تجھ کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا (صحیحین)

خشیت الٰہی کی وجہ سے اکثر آپ پر رقت طاری ہوتی اور آنکھوں سے آنسو

فرمایا "بھائیو! اس دن کیلئے سامان کرلو۔"

ایک دفعہ آپؐ نے حضرت ابراہیمؑ کی دُعا کی۔

ترجمہ:۔ پروردگار ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ ان میں سے جس نے میری پیروی کی وہی .... میری جماعت میں ہے اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں۔ اور اگر معاف کردے تو غالب ودانا ہے۔"

پھر دونوں ہاتھ اُٹھا کر اللّٰھم اُمتی اُمتی فرماتے جاتے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

(سیرت النبیؐ سے اقتباس)

عقیدۂ ختمِ نبوّت

کتاب اللہ اور حدیثِ رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں۔

عبدالطاہر خاں

اللہ تعالیٰ رب، علیم حکیم اور عادل ہے۔ وہ ہر فرد کو اس کی قوت برداشت ہی کے مطابق ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ خدائی سنت یہ ہے "اللہ کسی نفس کو تکلیف (ذمہ داری) نہیں دیتا لیکن اس کی وسعت کے مطابق (البقرہ) جوں جوں تمدنی حالت، وسائل زندگی آثار زندگی غیر معمول سے معمول کی طرف مشکل سے آسان کی طرف آتے گئے توں توں اللہ انسانی فلاح اور روحانی بالیدگی کے لئے تکلیف اور آزمائش آسانی سے مشکل کی طرف مجمل سے مفصل کی طرف کرتا گیا۔

کوئی آبادی، کوئی زمانہ اور کوئی علاقہ ایسا نہیں جس میں اللہ نے اپنی ہدایت نہ بھیجی ہو۔ اپنے بندوں کے ذہن اور عمل کی آزمائش نہ کی ہو۔ قرآن میں ارشاد ہے۔

(۱) اور کوئی قوم نہیں مگر اس میں ڈرانے والا گذر چکا (فاطر)، (۲) اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما بھیجا (رعد) (۳) اور ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی رسولوں کو ان کی اپنی اپنی قوم کے پاس بھیجا (روم) (۴) ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک منہاج (راہِ عمل) مقرر کیا (مائدہ)

دین (اسلام) ایک تھا۔ لیکن ہر قوم کی تکلیف (شریعت و منہاج) یعنی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق اس کی اپنی وسعت کے مطابق تھی اور ایک دوسرے سے مختلف تھی۔ ہر نبی کا پیغام اپنی اپنی علاقائی سرحدوں تک محدود تھا۔ اس کی مخاطب صرف اس کی اپنی قوم تھی۔ اس کی آنکھوں میں صرف اپنی قوم کی صورت تھی۔ ہر نبی کے مکتب میں، اس کی مسجد میں غیر قوم کے فرد کا داخلہ ممنوع تھا۔ مثال کے طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ "میں صرف بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں آیا ہوں" اللہ کے علم کے لحاظ سے جب انسان احساس ادراک اخلاق اور شعور کی منزل کو پہنچ گیا تو اس نے آخری بار عرش سے فرش والوں کے لئے رحمۃ اللعالمین کے ذریعے ہدایت کی رسّی مکمل طور پر اُتار دی۔ اور خبردار کر دیا کہ اس کے بعد اور کوئی رسّی نہ آئے گی اور نہ کوئی دوسرا رسّی کا لانے والا ہے۔ "نبوت ختم شد، ہدایت تمام شد" کا واضح اعلان کر دیا گیا۔

قرآن کا فیصلہ

سابقہ آسمانی صُحف جو موجود ہیں ان کی ایک ایک آیت کو دوربینی نگاہوں سے ایک بار نہیں بار بار دیکھ لو آنکھیں تھک جائیں گی لیکن ایک بھی آیت تلاش نہ کر پائیے گا جو ظاہری تو بڑی بات، باطنی مفہوم کے لحاظ سے بھی اس صحیفہ کی تکمیل کا اعلان کر رہی ہو لیکن قرآن کی تکمیل ہدایت سے متعلق اللہ تعالیٰ کا واضح اعلان موجود ہے۔"

"آج میں نے تمہارے لئے دین کی تکمیل کردی اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی" (مائدہ)

گذشتہ آسمانی ہدایت ناموں میں سے کسی بھی ہدایت نامہ کی حفاظت، کتابت، ترتیب، قرأت اور وضاحت کی ذمہ داری خود اللہ نے قبول نہیں کی۔ لیکن قرآن سے متعلق کہا۔

"بے شک ہم نے اس الذکر (قرآن) کو اتارا اور ہم ہی قطعاً اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں" (حجر) "بلاشبہ قرآن جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے ... پھر اس (کے معنی) کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے" (قیامۃ) قرآن میں نہ سامنے سے باطل کے گھسنے کی گنجائش ہے نہ پیچھے سے (حٰم السجدہ)

یہی وجہ ہے آج بھی قرآن "کل ترکہ

صورت میں موجود ہے۔ آج بھی اتنا ہی تروتازہ ہے جتنی کہ "صبح نو"! ہر لفظ اپنے اصل مقام پر موتی کی طرح مضبوطی سے جڑا ہوا ہے

پچھلی کسی کتاب نے اپنے رسول کو "خاتم" قرار نہیں دیا بلکہ اس کی زبان سے ایک دوسرے آنے والے کی نوید مسرت سنوائی۔ لیکن قرآن میں خود اللہ نے اپنے نبی کو خاتم النبیین کہا ہے (احزاب)۔ جو بھی نبی یا رسول آیا اس نے اپنی قوم سے کہا "میں تمہاری طرف اللہ کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں (صف)۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ نے خود کہلوایا: (محمدؐ کہو) لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (اعراف) خود اللہ نے کہا "(محمدؐ) ہم نے تمہیں تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا ہے" (سبا) اور ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے" (انبیاء) اور قرآن کے لئے فرمایا "یہ (قرآن) تمام دنیا والوں کے لئے نصیحت ہے" (تکویر)

قرآن کریم کا مرکزی خیال اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخاطب "انسان کا شعور کل" اور "پوری کائنات" ہے۔ زلف موسیٰؑ کے اسیر صرف بنی اسرائیل ہوئے لیکن زلف مدثر کے اسیر ہم ہوئے۔ تم ہوئے، حبشی ہوئے، فارسی ہوئے، رومی ہوئے، غرض سب ہوئے۔ چمن موسیٰؑ میں ایک . . . . . . ہی رنگ اور ایک ہی قسم کے پھول نظر آتے ہیں لیکن چمن مزمل میں قسم قسم کے گل ہائے رنگ برنگ نظر آتے ہیں۔ شجر عیسیٰؑ پر ایک ہی بول بولنے والے پرندے چہچہاتے نظر آتے ہیں لیکن شجر طٰہٰ پر بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے پرندے چہچہاتے حمد و ثناء کبریا بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ صرف بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کو تلاش کرنے آئے۔

مصطفٰےؐ دنیا کی تمام گمشدہ بھیڑوں کو تلاش کرنے آئے آپؐ کے بعد اب آپؐ کی امت جس کو اللہ نے "خیر امت" اور "امت وسط" کے خطابات سے نوازا ہے قیامت تک دنیا کی تمام گمشدہ بھیڑوں کو تلاش کرتی رہے گی کیونکہ "شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" اس کے وجود کا مقصد کل ہے۔

"انسان کاملؐ" نے اپنے "پیغام کامل" کی روٹیاں اپنوں کو بھی دیں اور غیروں کو بھی مشرکوں کو بھی دیں اور اہل کتاب کو بھی قیصر کو بھی دی اور کسریٰ کو بھی دی۔

رسولؐ کا فیصلہ

قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم دین اسلام میں اسی طرح سند اور حجت ہے جس طرح قرآن۔ اللہ کا خوف اور رسولؐ کی اطاعت یہی تو اسلام ہے۔ رسول کی تعلیم بلاواسطہ یا بالواسطہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہیں۔ اس کا قول محض ایک بشر کا قول نہیں ہوتا بلکہ "بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ" کا نتیجہ ہوتا ہے اس لئے حکم خداوندی ہے "اور جو کچھ (حکم) رسولؐ تمہیں دے اسے مان لو اور جس (چیز) سے وہ منع کردے اس سے رک جاؤ (حشر) کیونکہ "وہ اپنی خواہش نفسانی سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہی کہتا ہے جو خدا کی طرف سے (بالواسطہ یا بلاواسطہ) کہا جاتا ہے" (نجم)

اللہ کی نظر میں وہ مرد مومن نہیں جو قول رسولؐ کے آگے سر تسلیم خم نہ کرے۔ ارشادِ الٰہی ہے "پس نہیں اے نبی! تمہارا رب گواہ ہے کہ یہ لوگ مومن نہیں ہوسکتے جب تک وہ آپس کے تمام معاملات میں تمہیں حَکَم نہ بنائیں اور پھر تمہارے فیصلے پر بلا کسی دلی تنگی کے آمادگی کے ساتھ سر تسلیم خم نہ کردیں" (نساء) اور کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کے لئے یہ گنجائش نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا فیصلہ کردیں تو ان لوگوں کو اپنے معاملے میں (اس فیصلہ کے قبول وعدم قبول کا) کوئی اختیار باقی رہے گا" (احزاب) اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو ایسے شخص کے لئے نارِ جہنم ہے جس میں یہ ہمیشہ رہے گا" (جن) قول رسولؐ ہی نہیں بلکہ عمل رسولؐ بھی حکم خداوندی کا مظہر ہوتا ہے قرآن میں ارشاد ہے "کھجور کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے یا اپنے جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو وہ خدا کے اذن سے تھا" (حشر)

جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانتا ہے اس مومن مرد اور مومنہ عورت کو "جو اللہ کا رسول فیصلہ کردے" اس کو بے چون وچرا تسلیم کرنا پڑیگا بصورت دیگر جو قول رسولؐ سے بے نیازی سرکشی اور نافرمانی کی روش اختیار کرے اُس کے دماغ میں اور دل میں مرض ہے چاہے وہ کتنا ہی صاحب فہم وذکا ہونے کا دعوے کرے نارِ جہنم اس کی منتظر ہے۔

ختم نبوت کا اعلان مَا قَضَى رَسُولُهُ (جو اللہ کا رسول فیصلہ کردے) ہی تو ہے۔

آپؐ کا یہ قول کہ میری رسالت اور نبوت ہمیشہ کے لئے ہے۔ مومن مرد اور مومنہ عورت کے لئے اسی طرح سند اور حجت ہے جس طرح آپ کا یہ قول کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔

آپؐ نے بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ (وحی خفی یا غیر متلو یا الہام و القا) کے ذریعے ایک بار نہیں کئی بار ختم نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا میرے بعد اب کوئی نہ رسول ہے اور نہ نبی (۲) میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا بلکہ خلفاء ہوں گے (۳) بلاشبہ میرے بعد کوئی نبی نہیں (۴) مجھ سے پہلے کا ہر نبی مخصوص طور پر اپنی قوم کے پاس نبی بنا کر بھیجا جاتا تھا لیکن میں تمام لوگوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں (۵) اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔ (۶) مجھ سے نبوت کی عمارت مکمل ہوگئی اور میرے ذریعے سے رسولوں کا سلسلہ ختم ہوگیا' (۷) میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کے بعد کوئی امت (یعنی کسی نئے آنے والے نبی کی امت) نہیں (۸) میں نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ ہوں (۹) قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے گروہِ انسانی میں سے جس کسی شخص تک میری نبوت کا پیغام پہنچا اور اس کے باوجود وہ میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مرگیا تو وہ دوزخی ہوگا (۱۰) میں تمہارے پاس وہ شریعت لایا ہوں جو سورج کی طرح روشن اور آئینہ کی طرح صاف ہے اور اگر آج موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو انہیں بھی پیروی کرنی پڑتی۔

عقل کا فیصلہ

منصب نبوت محض ایک سامان تفریح یا کھیل تماشا نہیں کہ بلاوجہ اور بلا ضرورتِ واقعی انبیاء آتے رہیں جاتے رہیں۔ بلکہ یہ بڑا اہم اور سنجیدہ ادارہ ہے جس کے دروازے صرف اس وقت ہی کسی قوم پر کھولے جاتے ہیں جبکہ حالات خود چیخ اُٹھتے ہیں۔ خشکی وتری پر فساد پھوٹ پڑتا ہے تو جگر لالہ کی ٹھنڈک کے لئے آسمان سے شبنم (وحی) کا نزول ہوتا ہے۔

قرآنی اطلاع کے مطابق ایک نبی کی بعثت کے چار بنیادی اسباب ہوتے ہوتے ہیں ان میں سے جب بھی کوئی سبب پیدا ہوگا۔ نبوت کی بانگ درا سنائی دیگی ورنہ نہیں۔

(۱) کسی قوم کے لئے سرے سے الہامی خبر کی نشر و اشاعت کا اہتمام اور انتظام ہی نہ ہوا ہو یا کسی نشر شدہ خبر سے دوسروں کو مطلع کرنا ناممکن ہو

(۲) پچھلی خبر کی تکمیل کرنا مقصود ہو

(۳) پچھلی محرّف خبر کی تطہیر مطلوب ہو

(۴) ایک نبی کو دوسرے نبی کے ذریعے تقویت پہنچانا حکمت عملی کا تقاضہ ہو۔

عقل کسی دعویٰ کے لئے دلیل مانگتی ہے۔ قرآن بھی دلیل کی زبان میں بات کرتا ہے اور انسان سے سوال کرتا ہے۔ کہ آخر ان چار بنیادی ضروریات' وجوہات اور اسباب میں سے کون سی ضرورت، وجہ یا سبب باقی ہے جس کی کمی کو پورا کرنے کے لئے یا خلا کو پر کرنے کے لئے کسی نبی یا رسول کو شہ لولاک کے بعد بھیجا جائے۔

نبوت کسی خاص سبب کا نتیجہ ہوتی ہے جب کوئی سبب ہی باقی نہیں تو نبی کی بعثت کے کیا معنی؟

نکتۂ ختم نبوت سمجھ میں آتو سکتا ہے لیکن کسی کے دماغ پر گمراہی کے پردے پڑے ہوں۔ اندرون تاریک تر ہو۔ دل ایمان کی لذت سے ناآشنا ہو۔ نفاق کے مرض میں مبتلا ہو۔ سمع ونظر قرآنی بصیرت سے محروم ہو' عقل وحواس کا بندہ ہو' سر پُر غرور ہو تو اور بات ہے چاہے ایسا شخص اپنے آپ کو وقت کا ابوالحکم سمجھتا ہو۔ ہماری نظر میں ابوجہل ہے مرد بیمار ہے۔ اس سے بحث میں الجھنا وقت کا ضیاع ہے۔ قرآن کا مشورہ ہے "جاہلوں سے دور رہو" (اعراف)

اسلام آخری نبیؐ کا آخری پیغام جو سب کے لئے دعوت عام ہے۔ اسلام کا خدا رب العالمین ہے اس کا رسولؐ رحمۃ اللعالمین ہے اور اس کا پیغام ذکر للعالمین ہے۔

بقول اقبالؒ

خلق و تدبیر و ہدایت ابتدا است

رحمۃ اللعالمین انتہا است۔!

(تخلیق تقدیر اور ہدایت سے ابتدا ہوتی ہے اور رحمتِ عالم سے تکمیل)

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

جنہیں منصور کے قید خانے میں زہر کا پیالہ پینا پڑا

سید فضل الرحمٰن

جن مقدس نفوس نے اسلام کے اسلی چہرہ کو بے نقاب کیا اور اس کی فطری حسن و دلکشی کو منظر عام پر لانے کی سعی کی۔ ان میں امام ابو حنیفہؒ کا نام آسمانِ شہرت پر خورشید تاباں بن کر آج بھی چمک رہا ہے۔ دین و دانش کا [illegible] [illegible] ۸۰ ھ بمقام کوفہ میں پیدا ہوا۔ حضرت امام ابو حنیفہ کا نام "نعمانؒ" ہے اور کنیت ابو حنیفہ۔ فطری صلاحیت اور ذہانت کے اعتبار سے اس عہد میں آپ امتیازی مقام کے مالک تھے۔ اِجتہاد و فقہ میں آپ بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔ فصاحت و بلاغت میں بھی آپ کو مہارت حاصل تھی۔ عرب جو فصاحت و بلاغت کا گہوارہ تھا۔ جہاں عزّ و شرف کا معیار ہی فصاحت و بلاغت کو قرار دیا گیا تھا۔ وہاں کی وہ مقتدر ہستیاں بھی آپ کی تقریر کی لذت و لطافت سے محظوظ ہوتی تھیں جو اس فن میں اس عہد کی امام تھیں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے دانشکدہ کی عظمت و شہرت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ عرب و عجم کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جہاں آپ کے علم و دانش کی روشنی نہ پہنچی ہو اور جہاں آپ کے شاگردوں کی کثیر تعداد نے اپنے علم و آگہی سے تشنگان علم و عرفان کو سیراب نہ کیا ہو۔ مکہ ہو یا مدینہ دمشق ہو یا بصرہ۔ موصل ہو یا [illegible] رقہ ہو یا رملہ۔ مصر ہو یا یمن

فقہ کی گتھیاں سُلجھاتے عمر بیت گئی
عجز و انکسار کا دامن ہاتھ سے کبھی نہیں چھوٹا

ہر جگہ آپ کے وجود کی برکتوں سے علم و اخلاق کی نہریں جاری ہوئیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جن شہروں میں آپ کے فیوض کی برکتیں پہنچیں ان میں بغداد و اہواز، کرمان و اصفہان، حلوان و ہمدان، جرجان و طبرستان، بخارا و سمرقند، قومس و نہاوند، ہرات و نیشاپور بھی شامل ہیں۔ آپ کی زندگی کا یہ پہلو قابل غور ہے کہ جب آپ نے علوم ظاہری و باطنی کے حصول کے لئے حرمین شریفین کا سفر کیا تو آپ کے نام سے دُنیا بالکل مانوس نہ تھی۔ لیکن جب آپ فارغ التحصیل ہو کر واپس ہوئے تو نہ صرف پورا جزیرۃ العرب عراق کے اس بے مثال اور یگانۂ روزگار فقیہ سے واقف ہوگیا بلکہ دُنیائے اسلام واقف ہوگئی اور عالم یہ تھا کہ آپ جس شہر اور جس بستی سے گزرتے وہاں ہزاروں عقیدت مندوں کا ہجوم ہو جاتا اور وہ علم و اخلاق کے اس عظیم سرچشمہ سے سیراب ہوتے آپ کی عظمت و مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ہر عقیدہ اور مسلک کے لوگ آپ سے رجوع کرتے۔ ہر شخص آپ کا فریفتہ و دلدادہ ہوتا۔ ہر دل میں آپ کی محبت کی شمع فروزاں ہوتی۔ تاریخ ایسی جامع

مقبول اور محبوب شخصیت کی مثال دینے سے قاصر ہے۔ آپ کی اخلاقی قدریں اور باطنی صلاحیتیں کمال کے اس درجہ پر تھیں کہ جہاں تک پہنچنا ہر شخص کا کام نہیں۔ قادر مطلق نے آپ کو خاص مقصد کے لئے چُن لیا تھا اور دینی رہنمائی کی قندیل آپ کے سپرد کی گئی تھی یہی وجہ تھی کہ آپ کی حیات کا کوئی گوشہ بھی نورِ ایمان سے خالی نہ تھا۔ آپ بے حد منکسر المزاج اور نرم خو تھے۔ تواضع و خاکساری کا یہ حال تھا کہ آپ حضرت امام مالکؒ کے حلقۂ درس میں بھی شریک ہوتے۔ درحالیکہ حضرت امام مالکؒ آپ سے تیرہ سال چھوٹے تھے۔ پھر آپ اُن کی درس گاہ میں امام کے سامنے اسی طرح بیٹھتے جیسے ایک حقیقی شاگرد اپنے اُستادِ مکرم کے پاس بیٹھتا ہے۔ امام مالکؒ کی نگاہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی اتنی قدر و منزلت تھی کہ آپ ان کی بڑی تکریم کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ سے ملاقات کے لئے آئے تو آپ نے انہیں اپنے قریب بڑے احترام سے جگہ دی اور جب وہ رخصت ہوگئے تو حاضرین سے فرمایا لوگو! جانتے ہو کہ یہ شخصیت کون تھی؟ لوگوں نے کہا "نہیں" یہ ابو حنیفہ عراقی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے وہ قوت استدلال اور فکری استعداد عطا فرمائی ہے کہ اگر یہ چاہیں تو اس ستون کو سونے کا ثابت کر دکھائیں حضرت امام ابو حنیفہؒ بڑے حق گو اور حق پرست تھے۔ اس عہد میں مسندِ خلافت پر منصور جلوہ افروز تھا اس نے ایک فرمان کے ذریعہ اپنے دربار میں طلب کیا۔ خلیفہ امام اعظمؒ کی حق گوئی اور بے باکی سے بیحد خائف رہتا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ اس کی راہ سے یہ کانٹا ہٹا دیا جائے ربیع نے (جو منصور کے دربار کا ایک عالم تھا) خلیفہ کے ارادہ کو بھانپ لیا اور جب امام اعظمؒ تشریف لائے تو ربیع نے صاف صاف یہ کہدیا کہ:۔

"اے خلیفہ! ابو حنیفہؒ اس عہد کا کوئی معمولی شخص نہیں ہے یہ دُنیا کا سب سے بڑا امام ہے اور اس کا کوئی مثیل روئے زمین پر موجود نہیں۔"

ربیع نے اس انداز سے امام اعظم کی عظمت کا اظہار کیا تھا کہ امام کے علمی شکوہ اور اخلاقی بلندی سے خلیفہ تھرّانے لگا اور باوجود اپنی سخت گیری کے اس نے قدرے درشت لہجہ میں دریافت کیا کہ

"اے ابو حنیفہ! تم نے کس سے علوم حاصل کئے؟"

امام اعظم نے فرمایا "اے خلیفہ! میرے اُستادوں کا سلسلہ اکابر صحابہؓ تک پہنچتا ہے اور مجھے بے شمار ائمہ اور بزرگوں کے خرمنِ فیض سے خوشہ چینی کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔"

منصور نے جواب سُن کر کہا کہ

"اے ابو حنیفہ! میں تمہیں منصب قضات پر فائز کرتا ہوں۔"

فرمایا "اے خلیفہ! میں اس منصب کا اہل نہیں" خلیفہ "ابو حنیفہ تم جھوٹ بولتے ہو۔"

ابو حنیفہ۔ "اے منصور! اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو میرا یہ دعویٰ یقیناً سچا ہے کہ میں قاضی بننے کے قابل نہیں کہ کاذب آدمی قاضی نہیں بن سکتا۔"

منصور اس جواب سے لاجواب ہوگیا تھا اور اپنی شکست پر دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا اور بالآخر اس نے جبراً ابو حنیفہ کو قضات کا عہدہ دے دیا۔ پھر چند دن کے بعد امام اعظمؒ نے ۰۰۰۰۰ عذر کرکے اپنے منصب سے علیحدگی اختیار کرلی تو اس جرم کی پاداش میں منصور نے جلال میں آکر امام اعظمؒ کو قید خانے میں ڈال دیا۔ قید خانے میں بھی امام اعظمؒ نے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور صبر و رضا کا پیکر بن کر زندگی کے تلخ ایام بسر کرتے رہے۔ خلیفہ منصور کو امام اعظم سے جو اندیشہ پیدا ہوگیا تھا وہ دور نہیں ہوا تھا۔ اس لئے اس نے مناسب یہ سمجھا کہ آپ کی زندگی کا چراغ بجھا دیا جائے۔ چنانچہ اس نے آپ کو بے خبری کے عالم میں زہر کا پیالہ پلا دیا اور چند ہی دن کے بعد امام اعظمؒ بارگاہ لم یزل میں سجدہ ریز ہوئے اور اسی حالت میں آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی امام اعظمؒ کا مرتبہ اجتہاد میں بہت بلند تھا۔ مدینے میں ایک بار حضرت امام باقرؒ سے ملاقات ہوئی اور یہ مکالمہ ہوا:۔

ابو حنیفہؒ:۔ مرد ضعیف ہے یا عورت

امام باقرؒ:۔ عورت

ابو حنیفہؒ:۔ وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا امام باقرؒ: مرد کا

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ میں قیاس لگاتا تو کہتا کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے۔ کیونکہ ظاہری قیاس میں ضعیف

کو زیادہ حقہ ملنا چاہیئے۔ پھر سلسلہ کلام شروع ہوا۔

امام ابو حنیفہؒ :۔ نماز افضل ہے یا روزہ

امام باقرؒ :۔ نماز

امام ابو حنیفہؒ : اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضا واجب ہونی چاہیئے۔ حالانکہ میں روزہ ہی کی قضا کا فیصلہ دیتا ہوں۔

اس عالمانہ استدلال سے حضرت امام باقرؒ بے حد خوش ہوئے اور اُٹھ کر امام اعظمؒ سے بغلگیر ہوگئے۔ امام اعظمؒ کا وجود گرامی بے حد قیمتی تھا۔ آپ نے اپنے عہد میں علوم نبوت کے تنہا امین تھے اور علم و اجتہاد میں آپ کا کوئی مثیل نہیں تھا۔

افسوس کہ فقہ اسلامی کے عظیم الشان امام اور حق و صداقت کے جری و بیباک نقیب نے اپنے کاروانِ حیات کی ستر منزلیں طے کر کے ۱۵۰ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

امام اعظمؒ کی مقبولیت اور شہرت کا یہ عالم تھا کہ پہلی بار جنازے میں ستر ہزار کا اجتماع تھا۔ پھر ۶ بار اور نماز ادا کی گئی۔ اور مشہور مؤرخ خطیب سے روایت ہے کہ امام اعظمؒ کو قبر میں لٹا دیا گیا تھا، لیکن نماز کا سلسلہ بیس دن تک جاری رہا۔

ہر چند کہ امام اعظمؒ کا نورانی وجود باقی نہیں ہے لیکن ان کے زرین کارنامے باقی ہیں جو انہیں قیامت تک زندہ رکھیں گے۔

بقیہ : خطبہ جمعہ

وضاحت فرما دی۔ اب اس سے آگے بڑھنے والا کیسا ہی عنوان اختیار کرے اپنے آپ کو کچھ کہلائے دربار رسالت کے فتوئے کے مطابق بدعتی ہے اور بدعتی کا انجام ہولناک۔

ایک اصولی بات خیال میں رکھیں کہ مسنون اعمال ساری دنیا میں یکساں کیفیت میں آپ کو نظر آئیں گے کہ ان کی بنیاد ایک ہے۔ لیکن بدعات چونکہ ایجاد بندہ ہوتی ہیں اس لئے علاقہ بدلنے کے ساتھ ان کی ہیئت بدل جائے گی۔ یہاں کوئی شکل ہوگی تو وہاں کوئی۔ اور یہ ضلالت ہے گمراہی ہے، شفاعت رسولؐ سے محرومی کا باعث ہے اور خدا کے غضب و عتاب کا مورد بننے کا ذریعہ۔

اللہ تعالےٰ اعمالِ مسنونہ کی روشنی سے نوازے اور اختراع و بدعت پسندی کی لعنت و تاریکی سے نجات دے اور بچائے۔ و اٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

ایک مکمل نظام کی ــــ بات بنے گی سارے نظام کو بہ حیثیت مجموعی اپنا کر۔ اور اگر کچھ اپنا لیا کچھ چھوڑ دیا تو یہ افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض۔ کے زمرہ میں آ کر دنیا کی رسوائی اور آخرت کی بربادی کا باعث ہوگا۔

اس لئے اس پاکیزہ مجلس میں آج ایک ہی نصیحت ہے اور وہ یہ کہ رضاء رب کے لئے محمدؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا دامن اپنا ئیں اور بس۔ و اٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بقیہ : مجلس ذکر

ـــ کے ساتھ حسن سلوک و مروّت ہے، رزقِ حلال ہے، صدقِ مقال ہے وغیرہ ذالک۔

الغرض یہ سب اکائیاں ہیں

بقیہ = اللہ تعالیٰ سے مانگنا

ایک دفعہ آنحضرتؐ کسی قوم کے پاس سے گذرے تو دیکھا کہ وہ قوم مصیبت میں ہے، تو آپ نے فرمایا۔ "کیا یہ قوم دعا نہیں مانگتی؟"

ایک اور حدیث ـــ کہ:

جو بھی مسلمان (ـــ) مانگنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب اپنا منہ اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز ضرور دیتے ہیں۔ یا وہی چیز اس کو فی الفور دے دیتے ہیں، یا اس کے واسطے (دُنیا یا آخرت میں) اس کو ذخیرہ کر دیتے ہیں۔

بقیہ : تبصرہ

ہے۔ اِس سے قبل آپ کے قلم سے متعدد چیزیں سامنے آ چکی ہیں۔ جو عام طور پر پسند کی گئی ہیں۔ ذات رسالت کی تعلیمات سے متعلق پشتو رسالہ پختون حضرات کے لیے النعمت

اسلامی نظام فلاح وکامیابی کا راستہ!

حافظ بشیر احمد غازی آبادی

جب سے اس عالم اسباب میں حکیم انسانیت شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا دنیا پکار اٹھی کہ اسلام زمانے کی بندشوں سے بالا دین ہے۔ آفتاب نبوتؐ کے اجالے سے کفر کی ظلمت دور ہوئی پرچم انسانیت بلند ہوا۔ جُدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی سے ڈنکے عالم میں بجے اور تاریخ انسانیت کا ایک ایسا عظیم انقلاب آیا کہ دنیا میں انسان کے کام آنے کو انسان کا شرف قرار دیدیا گیا۔ جب سے اسلام دنیا میں آیا ہے۔ ارباب دین و دانش اسی وقت سے یہ اعلان کر رہے ہیں کہ انسانی برادری کے لئے اسلام سے بہتر کوئی دین، منشور، مذہب اور لائحہ عمل نہیں ہے۔

جس تعلیم سے ذہنوں کو جلا ملتی ہے جس ہدایت کے چراغ سے احترام آدمیت کا نور جگمگاتا ہے۔ جس پاکیزہ رہنمائی سے بھٹکنے والی انسانیت کو فلاح و بہبود کے راستے ملتے ہیں اور جو اولاد آدمؑ کے لئے تمام آلام و مصائب سے نجات کا راستہ ہے۔ ارباب بصیرت کے نزدیک وہ صرف وہ مذہب ہے۔ جس میں دینی تبلیغی اور معاشرتی مسائل کو انسانی فطرت کے مطابق حل کیا گیا ہے۔ یعنی اسلام ہی وہ دین ہے جو اپنے ماننے والوں کو ریاست کا نہیں ملت کا تصور دیتا ہے۔ جس پر عمل کر کے گڈریئے عالم کے سلطان بن گئے۔ اور وہ علاقے جہاں کھجوروں کے جھنڈ اور خار مغیلاں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ مرکز خیر و برکت قرار دیئے گئے۔

جن لوگوں کے نزدیک اسلام صرف ایک نظام عبادت ہے۔ ان کی دین فطرت سے متعلق معلومات ناقص ہیں اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور لادینیت کے سیلاب کو روکنے کے لئے دنیا میں آیا ہے۔ اگر اسلام کا مقصد صرف نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ادا کرانا ہوتا تو جباران قریش کبھی اتنی شدید مخالفت نہ کرتے۔ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ و السلام کی تعلیم، ظلم اور جھوٹ کے خلاف تھی ظالموں اور ان کی حمایت کرنے والوں اور منصب و جاہ کے حریصوں کے خلاف تھی۔ ذات پات رنگ نسل اور فرزند زمین ہونے پر تکبّر کے خلاف تھی اس لئے انسانیت کے بدخواہوں کو یہ پسند نہ تھی۔ رسولِؐ خدا نے جس ملت کی بنیاد ڈالی وہ پابند مقام نہیں تھی بلکہ ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست۔ نیشنل ازم، کمیونزم، کیپٹیل ازم فیوڈل ازم، سوشلزم سب کی اہمیت اپنی اپنی جگہ بجا اور درست، مگر اسلامی نظریات سے ان کو وہی نسبت ہے جو خاک کو آسمان سے ہے خدا جانے اب تک دنیا میں کتنے ازم آئے اور کتنے آنے باقی ہیں مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے نازل کردہ دین قیامت تک کے لئے انسانی برادری کے لئے باعث فلاح و بہبود ہے۔ خود ساختہ نظریات نقش بر آب کی طرح ابھرتے رہتے ہیں۔ مٹتے رہتے ہیں۔ لیکن نظام و قانون کا وہ وسیلہ جس کا نام اسلام ہے ـ رہتی دنیا تک کے لئے آیا ہے۔ پروردگار عالم ارشاد فرماتے ہیں کہ "میں تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر چکا ہوں اور میں نے تم پر اپنا احسان پایہ تکمیل کو پہنچا دیا اور میں نے تمہارے واسطے اسلام ہی کو دین پسند کیا۔" (القرآن)

یہ وعدہ ہے اس خالق کائنات کا جس نے کائنات تخلیق کی ہے۔ یہ ارشاد ہے اس خدا کا جو دونوں جہاں کا مالک ہے۔ اور اس وعدہ پر پختہ یقین ان لوگوں کا ہے جو وطن کے جاں نثار اور اسلام سے محبت کرتے ہیں۔ لین دین میں دیانت دار ہیں۔ اتحاد کی برکتوں سے آگاہ اور عزم و استقلال کے جوہر رکھتے ہیں۔ مسائل و معمولات میں جرأت سے کام لیتے ہیں۔ اور مفسدوں اور فتنہ انگیزوں سے تعاون نہیں کرتے۔ جو لوگ رشوت خور، خود غرض، منافق

جھوٹے اور کاہل ہیں وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں بھی ہوں ننگ انسانیت ہیں۔

لہٰذا جب ارباب دین ودانش یہ کہتے ہیں کہ بنی نوع انسان کی نجات کا راستہ وہی ہے جو نازش دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا تھا تو یہ بات نہ صرف قرین قیاس ہے بلکہ آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت کی حیثیت رکھتی ہے بشرطیکہ زبان دل کی رفیق ہو۔ کردار اور گفتار میں مطابقت ہو، مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ ایمان صرف زبانی جمع خرچ سے کبھی مستحکم نہیں ہوتا۔ تم نے اپنے سینے میں حرص وہوس کو بھر رکھا ہے۔ تمہیں شاید خبر نہیں کہ جب تک ہوا وہوس تمہارے دل و دماغ پر قابض ہیں۔ ایمان کو استحکام نصیب نہیں ہو سکے گا۔ ہوا وہوس کی حیثیت وہی ہے۔ جو کسی دروازے میں قفل کی ہوتی ہے۔ قفل کو کھولو تب ہی دروازہ کھل سکے گا۔ اور وہ نعمت مل سکے گی جو تمہیں مطلوب ہے۔

خدا اہل ایمان کا خود محافظ ومعاون اور مددگار ہے۔ اگر اسلام کے خادم تبلیغ اسلام کا کام انتہائی خلوص اور محبت کے ساتھ انجام دیں تو کوئی سنگ راہ ان کے قدموں کو آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتا۔ ترویج اسلام اور ملت اسلامیہ کو متحد کرنے کے لئے اسلامی حمیت سے کام لیا جائے اور قرآن حکیم کے اس حکم پر سچے دل سے عمل کیا جائے، کہ "ہم نے تمہیں زمین پر حکمران بنایا ہے کہ تم لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو۔ اور خواہشات کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں خدا کے راستے سے بھٹکا دے گی" تو وہ کامیابیاں ہمیں بھی حاصل ہو سکتی ہیں جو اب صرف سلف کی روایات بن کر رہ گئی ہیں۔

خود شناسی، حق شناسی، پاک بازی راستی یہ سب سرمایہ حیات ہیں۔ افتخار نسل اور احساس برتری سیدھے راستے سے انسان کو بھٹکاتے ہیں۔ توکل اور استغنا سے وہ جوہر نمایاں ہوتے ہیں جو انسانیت کا شرف ہیں۔ یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ دین حق کے فروغ کے لئے مخلصانہ جدوجہد اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے پر اعمال کی بنیاد نہ رکھی جائے قرآن عزیز میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" اور وہ جو ایمان والے ہیں ان کی محبت اللہ تعالیٰ سے بہت شدید ہے" (القرآن) جب ارباب دین و دانش اور اہل فکر ونظر اسلام کی دعوت دیتے ہیں تو دنیا پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کے چودہ سو سال پرانے اصول آج بھی زندہ و پائندہ اور اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح صدیوں پہلے تھے۔ اسلامی نظام کی برکات سے محرومی بہت بڑی خفتہ بختی ہے۔

اسلام استحصال سے پاک معاشرہ کے قیام عدل وانصاف اور مساوات پر زور دیتا ہے حسن عمل حسن اخلاق اور حسن سیرت کی روشنی کو دور دور تک پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسلامی معاشرہ میں صرف مساجد تک ہی یہ بات موقوف نہیں ہے کہ محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو جائیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں اس مبارک نظریہ کو جاری رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ یہ دین فطرت کی بڑی صحیح خدمت ہے کہ مسلمان اپنے عمل سے یہ ثابت کریں کہ اسلام ہرگز رجعت پسند مذہب نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جس کے نزدیک ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے جب تک ہمارا اسلامی تعلیمات پر عمل نہیں ہو گا۔ وہ سب دعوے محتاج صداقت رہیں گے جو آئے دن ہم کرتے رہتے ہیں۔ جہاں تک سیاست کا تعلق ہے۔ اسلامی سیاست یہ ہے کہ حکمرانی صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ قانون صرف وہ ہے جو پروردگار عالم نے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔

وہ لوگ جو دوسروں کو اعلیٰ اخلاقی اقدار اور مساوات کی تعلیم دیتے ہیں اور خود جہل خرد میں مبتلا ہیں کوئی بھی ہوں اور کہیں بھی ہوں اگر اسلام کے احکام پر عمل نہیں کرتے تو انسانیت کے حریف اور معاشرے کے دشمن ہیں۔ جن لوگوں کو خدا نے عقل سلیم سے نوازا ہے وہ جانتے ہیں کہ ذاتی مفاد کے حصول میں واقعی خوشامد اور رزق حرام سے آسانی ہوتی ہے مگر مآل کار ان کے نتائج جتنے شرمناک نکلتے ہیں خدا ہر غیرت مند انسان کو ان سے محفوظ رکھے مکروہات دنیا سے حتی المقدور بچنے سے انسان بعد مرگ بھی زندہ رہتا ہے۔ بشرطیکہ زندگی کا مفہوم سانس کی آمد ورفت نہ سمجھ لیا جائے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "یہ ہماری شان نہیں ہے کہ ہم اپنی مخلوق سے بے خبر رہیں (المومنون) ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں جو خیالات انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ" معلوم ہوا کہ خدا ہمارے عزائم سے باخبر ہے۔ ظاہر ہے کہ ہماری تیرہ شبی طلوع صبح میں جب ہی تبدیل ہو سکتی ہے جب ہم اس کتاب ہدایت کے احکام پر عمل کریں جسے قرآن پاک کہا جاتا ہے۔ اور یہ تلقین کامل رہے کہ ہماری تمام مشکلات کا حل اسلام اور صرف اسلام ہے۔

اسلامی شادی کے چند اصول

علامہ ابوالخیر اسدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اے ایمان والو!

اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ۔ اور شیطانی رواجوں پر مت چلو۔ کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (القرآن)

۱۔ والدین کا فرض ہے کہ اولاد کی دینی تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھیں۔ اور اولاد جب جوان ہو جائے یعنی بالغ ہو جائے تو اس کی بہت جلد شادی کر دینی چاہیئے ذاتی لالچ، رسمی اخراجات اور اعلےٰ معیار کے انتظار میں دیر کرنا درست نہیں۔ ارشاد نبوی ہے

"ان ایام میں اولاد سے جو برائیاں بھی سرزد ہوں گی آخرت میں والدین کو بھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا"

۲۔ رشتہ کرتے وقت مال و دولت اور حسن کی بجائے دین اور سیرت کو مقدم رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ مال اور حسن فانی ہیں۔ ان کی بنیاد پر طے پانے والے رشتے حقیقی الفت ومحبت سے خالی ہوتے ہیں۔ نیز دین واخلاق کی بنیاد پر برادری سے باہر بھی رشتے ناطے کیئے جا سکتے ہیں۔ قومی عصبیت ایک جاہلانہ رسم ہے۔

۳۔ رشتہ کرتے وقت لڑکے اور لڑکی کی رضامندی ضروری ہے۔ بصورت دیگر ممکن ہے کہ دونوں کا مستقبل تاریک ہو جائے۔ نکاح کے لیئے خوش دلی سے رضامندی ضروری ہے

۴۔ رشتے اور شادی بیاہ کے سلسلے میں ایک دوسرے پر سخت ونامعقول اور غیر شرعی شرائط عائد کرنا جائز نہیں۔ ورنہ الفت ومحبت نفرت وعداوت میں بدل جائے گی۔

۵۔ رشتے طے ہو جانے کے بعد حسد کی وجہ سے ناکام بنانے کی کوشش کرنا بہت بڑا گناہ ہے

۶۔ اسلام نے حق مہر کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں کی، اس لیئے جبراً کمی بیشی کرانا درست نہیں ہے۔ شوہر کو چاہیئے کہ وہ خدا سے ڈرتے ہوئے اپنی حیثیت کے مطابق بوقت نکاح نقدی زیور، یا جائداد وغیرہ کی صورت میں مہر ادا کر دے بامر مجبوری بعد میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ حق مہر جبراً معاف کرانا یا دھوکہ سے غصب کر لینا حرام ہے۔ اور ارشاد نبویؐ ہے۔

حق مہر غصب کرنے والا قیامت کے دن زانی کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔ مہر عورت کا حق ہے اور مرد پر قرض ہے۔

۷۔ وٹہ سٹہ کی شادی لڑکی کا عین معاوضہ ہوتا ہے۔ اس لیئے ایسے رشتے میں طلاق کے بدلے میں طلاق لے لی جاتی ہے۔ اگر ایک کو جواز کی صورت میں طلاق دے دی جائے تو دوسری کو بلاجواز سزا دی جاتی ہے۔ ان قبیح وجوہ کی بنا پر وٹہ سٹہ کے رشتوں سے بچنا چاہیئے

۸۔ شادی کے موقعہ پر رسم رت جگا جیسے بے ہودہ اور بے مقصد پروگرام کی بجائے اُخروی، دینی، اخلاقی اور ازدواجی زندگی سے متعلقہ مسائل پر وعظ ونصیحت کا انتظام کیا جائے۔

۹۔ نکاح پڑھانا ایک نیکی کا کام ہے۔ اس کی اجرت لینا جائز نہیں۔ اگر وقت کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ ہدیہ پیش کر دیا جائے تو قبول کر لینا چاہیئے۔

۱۰۔ شادی کے بعد دعوت ولیمہ سُنّت ہے۔ لیکن شادی سے پہلے اس قسم کی دعوت یعنی میل کرنا، غیر اسلامی فعل ہے۔ اور اس طرح کی دعوتی تقریبات میں نیوتہ کا لین دین بھی غیر اسلامی ہے۔ اس قبیح رسم کا خاتمہ کا آغاز اپنے گھر سے کرنا چاہیئے۔ ولیمہ بھی حسب استطاعت ہونا چاہیئے۔

۱۱۔ رخصتی سے پہلے دولہا والے محض شہرت اور نام وری کی خاطر دلہن والوں کے محلہ کی مساجد اور مدارس وغیرہ میں بطور خیرات کچھ رقم اور سامان دینے کا فخریہ اعلان کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ اللہ کی رضا کیلیئے نہیں اس لیئے اسلام کی رو سے خیرات کا یہ طریقہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔ ارشاد نبویؐ کے مطابق ہر مسلمان پر لازم ہے کہ

بوقتِ ضرورت اپنے قریبی مساجد اور مدارس وغیرہ کی حسبِ توفیق امداد کرتا رہے۔

۱۲۔ رخصتی کے موقعہ پر دولہا یا دلہن والوں نیز دیگر عزیز و اقارب کا دلہن کو دیئے جانے والے کپڑوں اور دیگر اشیاء کا محض اپنی نمود کی خاطر مردوں میں نمائش کرنا غیر اسلامی فعل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

"ریا و نمود شرکِ اصغر ہے۔"

۱۳۔ دعوتِ ولیمہ یا دیگر دعوتوں میں کھڑے ہو کر کھانا یا مخلوط اجتماع کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۴۔ دعوتِ ولیمہ میں فقراء و مساکین کی کثرت ضروری ہے۔ دوست، احباب، اعزا کو مدعو کیا جاسکتا ہے۔

۱۵۔ ولیمہ سادگی اور استطاعت کے مطابق محض اتباعِ سُنت کی نیت سے ہونا چاہیئے۔ نمائش، ناموری اور مقابلہ دنیا و آخرت کی بربادی ہے۔

۱۶۔ شادی کے سلسلہ میں آرائش اور غیر ضروری روشنی، فلم شو، ریکارڈنگ، موسیقی کی محفلیں میراثیوں، شہدوں سے گالیاں سن کر انعام دینا سمیت اور شامل گناہ ہیں

متفرق جاہلانہ رسُومات

یوں تو ہر برادری کی شادی سے متعلقہ رسومات مختلف ہیں لیکن یہاں پر کچھ برادریوں سے متعلقہ جاہلانہ رسومات کی نشان دہی کی جاتی ہے۔

منگنی کے وقت رسمی طور پر گود بھرنا یعنی طرفین کی طرف سے کچھ اشیاء کا بطور نشانی آپس میں لین دین کرنا، شادی سے چند دن قبل دولہا اور دلہن کو بان تیل بٹھانا، عورتوں کا اکٹھا ملنا، مخصوص گیت گانا، نیز اس دوران دلہن کے مکان میں حبس کرنا، ہاتھ پاؤں پر کنگھنا باندھنا، شرکیہ ٹوٹکے کرنا اور نجومی سے حساب کرانا، نیز گھی کے چراغ جلا کر دولہا دُلہن کے مہندی لگانا۔ دیوار پر چھاپنا۔ علاوہ ازیں اس دوران رسمی دعوت بتوارہ کرنا۔ اور رسمی اشیاء کا برادری میں تقسیم کرنا۔ رسم رَت جگا کرنا یعنی عورتوں کا اس موقعہ پر رات بھر جاگنا ڈھولک بجانا، ناچنا اور گیت گانا نیز ریکارڈنگ کرانا دولہا کے منہ پر سہرا باندھنا، دولہا کو عورتوں کا سجانا، یعنی مہندی لگانا، آنکھوں میں سیاہی ڈالنا ماں کا دولہا کو رسمی اور مصنوعی دودھ پلانا اور ان سب چیزوں کا نیگ وصول کرنا، دولہا کو گھوڑے پر سوار کرانا، آگے بینڈ باجے بجانا، بھنگڑہ ڈالنا ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بیلیں دینا، بارات کو گلیوں میں پھرانا، آتشبازی جلانا، دولہا کو کسی مسجد یا مزار پر سلامی کے لیئے لے جانا، دُلہن کے بَری کے کپڑے تھالوں میں سجا کر نمائش کی خاطر بارات کے ساتھ لیئے پھرنا۔ دولہا اور دلہن کے ننہیال والوں کی طرف سے دی جانی والی امداد کو رسم بھات کے نام نمائشی طور پر لین دین کرنا، دولہا اور دلہن کا ماموں کو پٹڑے سے اتارنا۔ نکاح کے بعد دولہا کا برادری کے آگے ذلت اور طمع کا سلام کر کے سلامی وصول کرنا۔ ساس سے تعارف مبارکی اور سلامی کے وقت دولہا کے ساتھ غیر مردوں کا اندر جانا، نیز نامحرم عورتوں کا بے پردہ سامنے آکر دولہا کے ساتھ لغو و بیہودہ مذاق وغیرہ کرنا۔ اس موقعہ پر دولہا کی سالیوں وغیرہ کا دولہا کا جوتا چھپا کر نیگ وصول کرنا، عورتوں کا براتیوں پر رنگ وغیرہ ڈالنا، نیز سمدھی ملاپ کا نیگ لینا دینا، اور لفظ دان یعنی خیرات کے نام سے سمدھی کو کچھ رقم نمود و نمائش کے طور پر دینا، دولہا اور اس کے ساتھیوں کے ناشتہ کے لیئے رسمی طور پر مخصوص کھانا پکانا اور اس کو کنور کلیوا کا نام دینا۔ نیز اس موقعہ پر بھی عورتوں کا ناشائستہ حرکات کرنا۔ دلہن کو کسی مرد کا گود میں اٹھا کر سواری میں بٹھانا۔ اور دلہن کو دولہا والوں کی طرف سے پیش کردہ پیسوں کی ہتھیلی سے مٹھی بھروانا اور بکھیر کروانا وغیرہ۔

دلہن کے استقبال کے موقعہ پر دولہا کے گھر والوں کا شرکیہ عمل کرنا۔ یعنی دولہا کی بہنوں کی طرف سے آرتا کرنا، دولہا اور دلہن کے قدموں میں تیل ڈالنا نیز دولہا کی بہنوں کا بار رکوائی کا نیگ وصول کرنا دلہن کا منہ دکھائی کے موقعہ پر اخلاق سوز اور غیر اسلامی حرکات کا مظاہرہ کرنا۔ دلہن والوں کی طرف سے آئے ہوئے لنہاری کے طور پر رشتہ داروں کا دولہا والوں کے ہاں کھانا کھلانے کے بعد کچھ رقم بطور نیگ جھوٹ اور کونڈے کے نام سے دولہا والوں کو دینا نیز دلہن کے دوبارہ لانے کو رسمی سمجھنا اور اس کو پھیر پاٹا کا نام دینا۔ نیز لڑکیوں کے لیئے کنّیا دان جہیز بھات اور چھوچھک وغیرہ کو کافی سمجھ کر ان کا حقِ وراثت غصب کرنا۔

یہ تمام رسومات میراثیوں اور ہندوُں کے ذہن کی پیداوار ہیں۔ اور مسلمانوں کا ان رسومات کی نقل کرنا قرآن اور سُنّت سے کھلی بغاوت ہے۔ لہٰذا ان رسومات کے انجام سے چشم پوشی کرنا شرعی جہالت ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے۔ "جو شخص کسی قوم کے طریقے اور رواجوں کی نقل کرے گا وہ قیامت کے دن اُسی قوم کے ساتھ اُٹھایا

جہاد

بچّوں کی محفل میں

نیکی کا حکم دینا، بُرائی سے روکنا!

(ابُوطیبّ انصاری)

جہاد عربی زبان میں کوشش کو کہتے ہیں۔ ایسی کوشش جو اللہ کی راہ میں کی جائے، عبادت میں شامل ہے۔

اللہ کی راہ میں جہاد جان سے بھی ہوتا ہے اور مال سے بھی۔ سب سے بڑا جہاد وہ ہے جو جان سے کیا جائے۔ اپنے ملک اور دین کی حفاظت کے لئے تن من دھن قُربان کردیا جائے۔

کسی ظالم کے سامنے حق بات کہنا، اپنے قلم سے سچّی باتیں لکھنا اور حق کی تبلیغ کرنا جہاد ہے۔ اسی طرح اپنی عادات اور اخلاق کو درست کرنے کے لئے نفسانی خواہشوں کو مارنا بھی جہاد میں شامل ہے۔

سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ اپنے اور اللہ کے دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ اپنے ملک کی سرحدوں کی حفاظت کی جائے اور دین کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگادی جائے۔

قرآن مجید میں مجاہدوں کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے خوشخبری دی ہے کہ انھیں بڑے بڑے درجے دیئے جائیں گے۔ ہمارے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے "مجاہد کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے نہیں پاتا کہ اُس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔"

جہاد لوٹ مار کا نام نہیں۔ جہاد کا مطلب ہے۔ محض اللہ کو راضی کرنے کے لئے اُس کے حکم کے مطابق ملک اور ملت کی حفاظت کرنا اور دشمنوں کا مقابلہ کرنا۔ سچّے مجاہد جہاد میں بوڑھوں، عورتوں اور بچّوں پر ہاتھ نہیں اُٹھاتے۔ کھیتوں کو نہیں اُجاڑتے۔ اور ہرے بھرے درختوں کو نہیں کاٹتے۔

"امر بالمعروف" کا ترجمہ ہے اچھے کاموں کا حکم دینا اور "نہی عن المنکر" کے معنی ہیں بُری باتوں اور بُرے کاموں سے روکنا۔ یہ دونوں کام ہر مسلمان کے ذمّے ہیں۔

قرآن شریف میں آیا ہے تمہارے درمیان ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بُلائے۔ اچھے کاموں کا حکم دے۔ اور بُری باتوں سے روکے۔ ان لوگوں کے متعلق فرمایا ہے کہ "یہی کامیاب ہوں گے۔" (سُورۂ آلِ عمران)

حضرت رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے ہر شخص نگراں ہے۔ اور ہر شخص سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے گا جو اُس کے اثر میں تھے۔" اس حدیث کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ہر شخص سے اس کی رعیّت کے بارے میں جواب طلب کیا جائے گا۔

ایسے نیک لوگوں کی ہر جگہ ضرورت ہے۔ جو اچھی باتوں کو پھیلاتے ہیں اور بُری باتوں کو روکنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اگر کسی قوم میں ایسے آدمی نہ رہیں تو نہ دین محفوظ رہے گا، نہ دُنیا کا امن باقی رہے گا۔

تعارف و تبصرہ

تبصرہ کے لیئے ہر کتاب کے دو نسخے ارسال کریں • تبصرہ باری پر ہو گا

فصوص الحکم

حضرت شیخ محی الدین محمد بن علی الہاتمی الاندلسی الدمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا دنیائے سلوک و تصوّف میں بڑا شہرہ ہے۔ ان کی عظمت کے پیشِ نظر لوگ انہیں "شیخ اکبر" کہتے ہیں۔ ان کی متعدد اور لازوال کتابوں میں ایک یہ کتاب بھی ہے۔ جیس حضرت مصنف نے مسائل توحید و تصوّف پر اپنے مخصوص انداز میں گفتگو کی ہے۔ شیخ کی سبھی کتابیں غائت درجہ ادق اور مشکل ہیں۔ اِس لیئے بعض متشدد مزاج حضرات ان کے متعلق ایسی باتیں بھی کہہ دیتے ہیں جو زیادتی" کے ضمن میں آتی ہے۔ اصل ضرورت یہ ہے کہ اِس موضوع و عنوان کے سلسلہ میں پاکیزہ ذوق رکھنے والے حضرات آگے بڑھ کر شیخ کی کتابوں پر مفصل کام کریں اور ان کی تسہیل کا کم از کم ایسا انتظام کردیں کہ عام لوگوں کے لیئے استفادہ آسان ہو سکے۔ یہ کام تو بہر حال اپنے وقت پر ہو گا فی الوقت ان کے تراجم بھی ہو جائیں تو کام بن جائے گا۔ تراجم میں بھی ایسی شکل ممکن ہے کہ کتاب کے نفسِ مضمون کو آسان سے آسان صورت میں سامنے دیا جائے۔

حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی رحمہ اللہ تعالےٰ حیدر آباد دکن کے صاحب نسبت بزرگ تھے۔ اللہ تعالےٰ نے مختلف طریقوں سے اپنے دین کی بے پناہ خدمت ان سے لی مرحوم حیدر آباد کی معروفِ زمانہ یونیورسٹی میں شعبہ دینیات کی مسند صدارت کو مدّتوں اپنے دم قدم سے آباد کیا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ان کا وجود اِس مسند کے لیئے واقعی موزوں تھا۔ اس کے ساتھ ہی قرآنِ کریم کا انگریزی ترجمہ اور دوسری قلمی و تصنیفی خدمات کے سبب ان کا نام زندہ جاوید ہے۔

مرحوم نے اِس ادق اور مشکل کتاب کا ترجمہ کیا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ بقول کسے کتاب کے مضامین کو پانی کر دیا۔ حیدر آباد کے عہد رفتہ میں یہ کتاب وہاں سے چھپی، پاکستان میں یہ ذوق کہے! لیکن اللہ بھلا کرے "نذیر سنز کے مالکان کا جنہوں نے اِس کساد بازاری کے دور میں ایسی کتاب چھاپ دی۔ جس میں مالی منفعت نہ ہونے کو ہے۔ یہ ان کی علم پروری اور علوم اسلامیہ کی قدر افزائی کا نتیجہ ہے کہ یہ کیمیا پوری آب و تاب سے سامنے آگیا ہے، امید ہے کہ اِس ترجمہ سے کتاب پر مزید کام کرنے کی راہیں کھلیں گی،

اللہ تعالےٰ مصنف، مترجم پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمائے۔ اور ناشر کو مزید ہمت بخشے

۴۲ روپے میں کتاب نذیر سنز ۴۰ اے اردو بازار لاہور سے دستیاب ہے۔

انسانِ کامل اور اسلام اور سائنس

یہ دونوں کتابیں بھی "نذیر سنز" نے چھاپی ہیں۔ جو جناب حاجی محمد منیر قریشی کے قلم کا شاہکار ہیں

پہلی کتاب حضرت نبی مکرم رحمت دو عالم علیہ السلام کی سیرت پر ہے۔ اور اس طرح کہ مصنف نے پوری دیدہ ریزی سے ہر طبقات کے لیئے آپ کی زندگی کو جیتے جاگتے نمونہ کی شکل میں پیش کیا ہے۔

دوسری کتاب میں دین اسلام کے حوالے سے جدید سائنس کی تشریح و توضیح ہے بعض اسلامی معتقدات اور معجزات وغیرہ جن پر جدید انکشافات کے علم بردار ناک منہ چڑھاتے ہیں۔ انہیں ان کی سائنس نے کس طرح صحیح ثابت کیا اور سائنس ہنوز کس موڑ پر ہے اِس پر شستہ انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ دونوں کتابیں لائقِ مطالعہ ہیں۔ قیمت -/۱۵ روپے اور -/۹ روپے

اُسوۂ حَسَنَہ : حضرت مولانا اشرف علی قریشی

استاذ حدیث جامعہ اشرفیہ پشاور کے قلم سے حضور نبی مکرم علیہ السلام کی تعلیماتِ عالیہ پر مشتمل ہے۔ یہ کتابچہ پشتو زبان میں تحریر کیا گیا

سیّد نور الحسن بخاری

قسط (۳)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

جن کو بھی دُنیا میں دِین مِلا، ان ہی سے مِلا!

ے از ہمّتِ شاں در چمنِ زیست بہارے

۳ - حویلی کی زندگی

انسانی زندگی کا تیسرا حصّہ جو چوبیس گھنٹوں میں سے قریباً چار گھنٹے ہوتا ہے یہ انسان بیرونِ خانہ نہیں بلکہ حویلی کے اندر گزارتا ہے، جسے ہماری زبان میں مردانہ اور بیٹھک وغیرہ کہتے ہیں اور عربی میں اسے "دار" (الدار، المحل (قاموس ربع اول باب الراء فصل الدال) ۲ - الدار، گھر مکان (المنجد ص ۴۰۳) ۳ - الدار، منزل، مکان کو کہتے ہیں (مفردات القرآن، (مترجم ص ۳۱۷) کہتے ہیں۔

دار اور بیت میں فرق

بیت کے اصل معنیٰ رات گزارنے کے ہیں۔ جہاں انسان رات گزارے اسے بیت کہتے ہیں۔ یعنی گھر کا اندرونی مکان۔ بخلاف اس کے دار گھر کے بیرونی حصہ کو کہتے ہیں۔ محل، منزل، مردانہ وغیرہ۔ گویا دار بیت کے علاوہ باقی سارے گھر اور مکان کو کہتے ہیں۔ جو لوگ دار یعنی ان محفوظ مقامات میں انسان سے ملتے جلتے ہیں وہ اس کے خاص لوگ ہوتے ہیں۔ جنہیں ہم عزیز و اقربار اور خویش و اقارب کہتے ہیں۔ عربی میں انہیں آل کہا جاتا ہے۔

لغتِ قرآن کے امام، امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

"آل"، یہ اس شخص کے متعلق بولا جاتا ہے جسے دوسرے کے ساتھ دوستی یا رشتہ داری کی وجہ سے خصوصی تعلق ہو۔ قرآن میں ہے و آل ابراهیم و آل عمرٰن اور خاندان ابراہیم، اور خاندانِ عمران (مفردات القرآن (مترجم) بحث الآل ص ۷۵)

لغات القرآن میں ہے "باعتبار لغت آل کے معنی ہیں قرابتدار احباب اور پوری قوم داخل ہے (لغات القرآن جلد اول ص ۲۰۵)

انسانی زندگی کے مآخذ

تو اب اگر کسی شخص کی پوری زندگی معلوم کرنی ہو تو وہ اس کے یار دوستوں (اصحاب)، گھر والوں (اہل بیت) اور قرابتداروں (آل) سے معلوم ہو گی۔ ان تین قسم کے لوگوں سے رجوع کئے بغیر کسی انسان کی سیرت و کردار کا علم نہیں ہو سکتا۔

نبوّی زندگی

دین چونکہ پوری نبوی زندگی کے اتباع سے عبارت ہے لہٰذا دین حاصل کرنے کے لئے ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیاتِ طیبہ اور سیرتِ مقدسہ کا مطالعہ کر کے اس کا اتباع کرنا ہوگا اور اس کے لئے ہمیں تین جماعتوں سے رجوع کرنا پڑے گا:-

۱ - اصحابِ رضؓ رسولؐ (۲) اہل بیت رضؓ رسولؐ (۳)، آلِ رسولؐ۔

۱ - اصحابِ رضؓ رسولؐ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیرون خانہ - مسجد، مجلس، سفر اور میدانِ جہاد وغیرہ کے لئے ہمیں اصحابِ رضؓ رسولؐ رضی اللہ عنہم کی بارگاہ میں حاضر ہونا پڑے گا، ان پر اعتماد کرنا ہوگا۔ بلکہ ان سے قلبی ربط و تعلق رکھنا ہوگا ان سے محبت و عقیدت ہو گی تب ہمیں اس مبارک و مقدس جماعت سے رسول کریم کی حیات طیبہ اور سیرتِ مقدسہ کا علم ہوگا اور ہم اس کا اتباع کر کے دین و ہدایت حاصل کر سکیں گے۔

منظور شدہ محکمہ تعلیم
۱- لاہور ریجن بذریعہ چھٹی نمبری ۱۶۳۲۱۹ مورخہ ۲ مئی سنہ ۱۹۵۶ء ۲- پشاور ریجن بذریعہ چھٹی نمبری C-B-T ۲۳۷/ ۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر سنہ ۱۹۵۶ء
۳- کوئٹہ ریجن بذریعہ چھٹی نمبری ۹/۳۹/۶۷-۲۰ D-D-A9-۲۴ اگست ۱۹۶۷ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو ۲۰/۹/۴۰/۱۵۳۱۰ مورخہ ۳ مارچ سنہ ۱۹۶۷ء